قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

چھتیسواں (۳۶) وعظ مسمّی بہ

الھدیٰ والمغفرۃ

منجملہ ارشادات حضرت قبلہ و کعبہ ام حکیم الامت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم

حسب فرمایش جناب حاجی عبدالرحمن صاحب زمیندار رنگون

باہتمام ناظم صاحب امداد المواعظ تھانہ بھون

بابتہ ماہ صفر ۱۳۴۳

اشرف المطابع تھانہ بھون میں شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ الہدیٰ والمغفرۃ

لحضرۃ العارف الکامل۔ عین اعیان الاماثل۔ سیدی حکیم الامۃ مجدد الملۃ دام مجدہم

این	کہاں ہوا	سرورٹ ضلع مظفر نگر مدرسہ محمودیہ
متی	کب ہوا	۱۳، جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ بروز یکشنبہ شروع ۸ بجکر ۵۴ منٹ
کم	کتنی دیر ہوا	ختم ۱۲ بجے کل ۳ گھنٹہ ۶ منٹ
کیف	کس طرح ہوا	کرسی پر بیٹھکر
لم	کیوں ہوا	مدرسہ کا جلسہ سالانہ تھا جس میں ہمیشہ حضرت مولانا کا بیان ہوا کرتا ہے۔
ماذا	کیا مضمون تھا	علم کی فضیلت اور جہل کی مذمت اور عمل و بدعملی کی ترغیب و ترہیب
من ای شان	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	سب مسلمانوں کو عموماً
من ضبط	کس نے ضبط کیا	احقر ظفر احمد تھانوی عفی اللہ عنہ
المستمعون	سامعین کی تعداد	۵۰۰ تقریباً
الاشتتات	متفرقات	وعظ کے بعد پھر حضرت مولانا راندھیر کی طرف تشریف لے گئے۔ اور وہاں بہت وعظ ہوئے مگر ضبط نہیں ہوئے۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ

الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہٗ ورسولہٗ۔
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ اولٰئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ والعذاب بالمغفرۃ فما اصبرھم علی النار ۝ یہ ایک آیت ہے سورہ بقرہ جس میں حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ نے اہل کتاب کے متعلق دو وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں کیونکہ اوپر سے اہل کتاب کا ذکر چلا آرہا ہے چنانچہ اس آیت سے پہلے یہ آیت ہے۔ ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہ ثمنا قلیلا اولٰئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار ولا یکلمھم اللہ یوم القیمۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم ۝ اس میں اہل کتاب کی دین فروشی اور کتمان حق کا ذکر ہے اور اس پر سخت عذاب کی دھمکی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت ہے جو میں نے تلاوت کی۔ اس میں ان اعمال سابقہ کا منشا بتلایا گیا ہے کہ اہل کتاب جو دین فروشی اور کتمان حق پر دلیر ہیں اس کا منشا دو باتیں ہیں ایک یہ کہ ان لوگوں نے (دنیا میں) ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت اختیار کی دوسرے یہ کہ انھوں نے (آخرت کی چیزوں میں سے) اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو اختیار کیا۔ اس کے بعد ان دونوں پر سخت وعید ارشاد فرماتے ہیں فما اصبرھم علی النار یہ ایسا ہے جیسا ہمارے محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ شاباش ہے اس کی ہمت کو آگ میں کودنے کیلئے کیسا باہمت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شاباش ہو انکی ہمت کو دوزخ میں جانے کیلئے کیسے باہمت ہیں خلاصہ یہ کہ آیت میں ترک ہدایت اور اختیار ضلالت پر اور ترک اسباب مغفرت و اختیار اسباب عذاب پر وعید ہے اور میں نے اسباب کا لفظ ترجمہ میں اس لئے بڑھا دیا کہ عذاب کو بلا واسطہ کوئی اختیار نہیں کرسکتا۔ جس سے بھی پوچھا جائے ہر شخص عذاب سے نفرت وکراہت اور خوف ہی ظاہر کرے گا اور کوئی یہ نہ کہے گا کہ مجھے عذاب لینا منظور ہے مگر حق تعالیٰ نے اسباب کے لفظ کو اس لئے حذف کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسباب کو اختیار کرنا مسبب کو اختیار کرنا ہے دیکھیے جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ بغاوت وقتل کی سزا پھانسی ہے وہ اگر قتل وبغاوت پر اقدام کرے تو عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ کمبخت پھانسی پر لٹکنا چاہتا ہے۔ حالانکہ وہ پھانسی پر لٹکنا ہرگز نہیں چاہتا مگر اس کے اسباب کو جان بوجھکر اختیار کرنا عقلاء کے نزدیک پھانسی ہی کو اختیار کرنا ہے

ایسے ہی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں نے اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو
اختیار کر لیا تو یوں کہنا چاہیئے کہ گویا مغفرت کو چھوڑ کر خود عذاب ہی کو اختیار کیا ہے۔ یہ
تو وجہ ہوئی جانب عذاب میں اسباب کو مقدار کرنے کی کہ عذاب کو بلا واسطہ کوئی اختیار
نہیں کر سکتا۔ اور جانب مغفرت میں لفظ اسباب کے مقدر کرنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ مغفرت
ہر شخص کو مطلوب ہے اس کو بھی بلا واسطہ کوئی ترک نہیں کرتا جس سے بھی پوچھوگے وہ طالب
مغفرت ہی ہوگا۔ پس ترک مغفرت کے بھی یہی معنی ہیں کہ اس کے اسباب کو ترک کر دیا
اور ایک علت مشترکہ مقدر کرنے کی یہ بھی ہے کہ ترک و اختیار کا تعلق اُن اشیاء سے ہوا کرتا
ہے جو بندہ کی قدرت میں داخل ہوں اور عذاب و مغفرت انسان کی قدرت سے خارج ہیں
اس لئے بلا واسطہ ہمارے ترک و اختیار کا تعلق ان کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ البتہ دونوں
کے اسباب ہمارے قدرت کے تحت میں ہیں۔ اُن کے ساتھ ہمارا ترک و اختیار متعلق
ہو سکتا ہے اور اسباب کے واسطہ سے عذاب و مغفرت کے ساتھ بھی ان کا تعلق ہوتا ہے۔
یہ تو ترجمہ تھا آیت کا۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ ترک ہدایت و اختیار ضلالت اور ترک اسباب
مغفرت و اختیار اسباب عذاب بڑا سنگین جرم ہے جس کے مرتکب کی بابت حق تعالےٰ
یوں فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جہنم میں جانے پر بڑے ہی دلیر ہیں اور اس جرأت کو تعجب کے صیغہ
سے بیان فرماتے ہیں کہ شاباش ہے ان کی ہمت کو یہ جہنم میں جانے کے لئے کیسے دلیر اور
بیباک ہیں اور غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہی افعال منشاء ہیں تمام جرائم کا جن میں سے دین فروشی
اور کتمان حق کا ذکر خصوصیت سے اوپر آ بھی چکا ہے کہ اُن کا منشاء یہی ترک ہدایت و
اختیار ضلالت وغیرہ ہوا ہے اور اس سے بطور مفہوم کے یہ بھی معلوم ہوا کہ جسطرح ترک ہدایت و ترک مغفرت صدور
معاصی دخول جہنم کا سبب ہے اسیطرح اختیار ہدایت و طلب مغفرت صدور طاعات و دخول جنت کا سبب ہے پس جاہل یہ ہوا کہ جہل
اور علم سے بے خوفی معاصی کا سبب ہے اور علم اور رغبت مغفرت طاعات کا سبب ہے۔ اس طرح یہ
آیت ترغیب و ترہیب دونوں کو جامع ہوگئی۔ اس وقت اس کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے
کہ حاضرین کو معلوم ہے کہ اس وقت ہم ایک دینی مدرسہ کے جلسہ میں مدعو ہیں۔ جس کی غرض
یہ ہے کہ حاضرین کے ذہن میں علم کی ضرورت اور اس کی ضد یعنی جہل کی خرابیاں واضح کیجائیں

اس لئے میں نے اسی کے مناسب مضمون اختیار کیا چنانچہ میں اس وقت علم وجہل اور عمل و بدعملی کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں صرف ضرورت علم ومذمت جہل پر اکتفا نہ کروں گا بلکہ اس کے ساتھ عمل اور بدعملی سے بھی بحث کروں گا اور مضمون آیت کو اس غرض سے بہت زیادہ مناسبت ہے جو ترجمہ میں ذرا غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت اختیار کرنا اس کا حاصل یہی ہے کہ علم کو چھوڑ کر جہل کو اختیار کرنا اور چونکہ علم سے مقصود عمل ہے۔ اگر عمل نہ ہوا تو گویا علم ہی نہ ہوا کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے الشیئ اذا خلا عن فائدتہ لغا۔ اس طرح ہدیٰ اور ضلالت میں عمل وبدعملی بھی داخل ہے۔ اور آیت کا جزو اول ہی مقصود کے دونوں اجزاء پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہوگیا۔ اس کے بعد والعذاب بالمغفرۃ میں تو عمل اور بدعملی کی تصریح ہوگئی کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں عذاب سے اسباب عذاب اور مغفرت سے اسباب مغفرت مراد ہیں اور مغفرت وعذاب کا ترتب اعمال ہی پر ہوتا ہے جن میں علم وجہل بھی داخل ہیں گو بعضوں نے عمل کو افعال جوارح سے مخصوص کیا ہے مگر درحقیقت عمل عام ہے افعال جوارح وافعال قلب دونوں کو کیونکہ عمل کہتے ہیں صرف اختیار کو۔ اور افعال قلب میں بھی صرف اختیار ہوتا ہے تو وہ بھی اعمال میں داخل ہیں۔ اس طرح علم وجہل بھی اسباب مغفرت واسباب عذاب میں داخل ہوگئے اور اعمال صالحہ واعمال سیئہ تو ان میں داخل ہیں ہی۔ پس مغفرت کا حاصل عمل طاعت ہے کیونکہ مغفرت کا ترتب طاعات ہی پر ہوتا ہے اور عذاب کا حاصل بدعملی ہے۔ کیونکہ اعمال بد ہی پر عذاب کا ترتب ہوتا ہے۔ غرض آیت کے دونوں اجزاء الگ الگ بھی مقصود کے دونوں اجزاء کو مشتمل ہیں اور مجموعۃً بھی۔ کیونکہ میں اوپر بتلا چکا ہوں کہ ہدیٰ میں علم وعمل دونوں داخل ہیں اس لئے کہ علم سے عمل ہی مقصود ہوتا ہے پھر اس کے مقابل ضلالت میں بھی جہل وبدعملی دونوں مراد ہوں گے اور یہ بھی میں نے بتلا دیا کہ مغفرت سے بواسطہ تقدیر اسباب کے عمل طاعت مراد ہے اور علم بھی عمل میں داخل ہے تو عذاب میں بھی جہل اور بدعملی دونوں داخل ہوں گے اور یہ بات ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتی ہے اور یہی مقصود وقت تھا اس لئے اس آیت کو اختیار کیا گیا رہا یہ کہ ہدیٰ سے مراد علم کیسے ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدایت کے معنی ہیں راہ نمودن اور یہ علم پر موقوف ہے۔ کیونکہ بدون جانے راستہ بتلانا مشکل ہے یہ تو اصلی معنی ہیں اور

یہاں چونکہ ہدیٰ کا مقابلہ اضلال سے نہیں بلکہ ضلالت سے ہے اور ضلالت کے معنی گمراہ ہونے
کے ہیں اس تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہدیٰ کے معنے راہ جاننے کے ہیں پس ہدیٰ کا حاصل
علم اور ضلالت کا حاصل جہل صاف معلوم ہوا صاحب ہدیٰ وہی ہے جو راستہ جانتا ہو اور راستہ
پر چلتا ہو اور گمراہ وہی ہے جو راستہ نہ جانتا ہو یا جان کر اس پر چلتا نہ ہو۔ اب غور کرنا چاہیے کہ
ہماری حالت کس میں داخل ہے کیونکہ قرآن مجید ہمارے لئے اصلاح کی ایک کتاب ہے۔ ہمیں
اس کے مضامین سے اپنی حالت کی اصلاح کرنا چاہیے۔ یہ تو اجمالاً معلوم ہوگیا کہ قرآن شریف
عموماً بھی اور بواسطہ اس آیت کے خصوصاً بھی علم وعمل کی تعلیم دے رہا ہے اور بدعملی وجہل پر وعید
بتلا رہا ہے تو اب ہم کو اپنی حالت میں غور کرنا چاہیے۔ مریض کو چاہیے کہ اول طبیب کی تقریر میں
غور کرے پھر اپنی حالت میں غور کرکے اس کو اپنے حال پر منطبق کرے کہ میرے اندر یہ امراض ہیں
یا نہیں۔ اگر امراض موجود ہیں تو ان کے خطرات پر مطلع ہوکر جلد اصلاح کی کوشش کرے۔ ایسے مسلمان
تو کم ہیں جن کو مضامین قرآن کی صحت میں شک ہو یہ تو سب کو مسلم ہے کہ قرآن کے مضامین سب
صحیح ہیں مگر غفلت اس سے ہے کہ اپنی حالت میں غور نہیں کرتے اور مضامین قرآن کو اپنے اوپر
منطبق نہیں کرتے۔ اہل علم تو بھلا اہل علم ہیں وہ تو اپنے علم پر قناعت کئے ہوئے ہیں ہی گو ان کو
بھی اپنی خاص خاص حالت کے اعتبار سے غور وتامل کی ضرورت ہے مگر عموماً غیر اہل علم بھی تو اپنی
حالت موجودہ پر قناعت کئے ہوئے ہیں کسی کو اصلاح کی فکر نہیں۔ حیرت ہے کہ اگر کسی کے مکان
میں ذرا سا نقص رہ جائے مثلاً دالان اور سہ دری تیار ہو مگر اسباب رکھنے کے لئے کوٹھری نہ ہو تو
اس کو فکر ہوتی ہے کہ اگلے سال ایک کمرہ بنائیں گے۔ اگر زیادہ وسعت بھی نہ ہوئی تو ایک دو کڑیاں
تو ضرور بنا ہی دیں گے مگر قصر دین کی تکمیل کا کسی کو بھی خیال نہیں ہے۔ جس تنگ کوٹھری میں ہم
بسے ہوئے ہیں اسی پر قناعت ہے اس سے زیادہ ترقی کی ہوس ہی نہیں۔ پھر افسوس یہ ہے کہ خود
اس کی درستی کی بھی فکر نہیں۔ اگر وہ کوٹھری کہیں سے گری ہوئی ہے یا اس کی چھت میں دو تین
کڑیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ تو اس کی کچھ پروا نہیں۔ صاحب اگر زیادہ بھی نہ ہو تو کم از کم بقدر ضرورت
تو دین کی عمارت درست کر لینی چاہیے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک نقص فرائض و واجبات کا ہے
اور ایک نقص سنن و مستحبات کا ہے۔ اگر سنن و مستحبات کی تکمیل نہ ہو سکے تو کم از کم فرائض و واجبات

کے نقص کو تو رفع کر لیا جاوے۔ گو مسلمان ہونے کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ سنن و مستحبات کی بھی تکمیل کی جاتی۔ کیونکہ مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ دین دنیا سے مقدم ہے تو جب ہم کو قصر دنیا کا نقص گوارا نہیں تو قصر دین کا نقص کیونکر گوارا ہے۔ لیکن افسوس تو اس کا ہے کہ ہم کو فرائض و واجبات کی تکمیل کا بھی اہتمام نہیں۔ شریعت محمدیہ معتدلہ میں ہر حالت کے اعتبار سے حکم موجود ہے۔ ؎ ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد۔ شریعت نے عقاید و عبادات کے علاوہ معاملات و معاشرات وغیرہ میں اعتدال کی رعایت کی ہے اور اسی لئے اس امت کا لقب اُمت عادلہ ہے۔ لیکن ہمارے تمام کام اعتدال سے گذرے ہوئے ہیں۔ کوئی کام بھی افراط و تفریط سے خالی نہیں۔ اگر ہم اپنی حالت میں غور کریں تو معلوم ہو کہ ہماری عبادات بھی ناقص ہیں اور معاملات بھی اور معاشرت تو بالکل ہی گندی ہے۔ پھر وہ نقص سُنن میں بھی ہے اور مستحبات میں بھی واجبات میں بھی ہے اور فرائض میں بھی۔ اور اگر کسی کے فرائض و واجبات میں ظاہری نقص نہیں تو باطنی نقص تو ضرور موجود ہے۔ کیونکہ نقصان کی دو قسمیں ہیں ایک جلی ایک دقیق۔ اگر کوئی نقص جلی سے محفوظ ہے تو نقص خفی سے وہ بھی بچا ہوا نہیں۔ غرض ہمارا وہ حال ہے ؎ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ سر سے پیر تک ہمارا دین زخمی ہے مگر کسی کو بھی علاج کی فکر نہیں۔ بعض لوگوں کو اس سے دھوکہ ہو گیا ہے کہ وہ کاملین کو بھی اپنے نقص کا اعتراف کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس سے وہ یوں سمجھ گئے کہ جب ایسے ایسے بزرگ بھی ناقص ہیں تو ہم ہی سے کیا تکمیل ہوگی۔ بس وہ بھی ناقص ہیں۔ اور ہم بھی ناقص۔ تو سب برابر ہیں۔ پھر تکمیل کس سے کریں صاحبو! اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ایک شخص کے تو ہاتھ پیر موجود ہوں مگر اُن میں درد ہو رہا ہو اور ایک شخص کے ہاتھ پیر ہی نہوں تو یہ دونوں برابر ہو جائیں گے۔ کیا اس کو کوئی عاقل تسلیم کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بس یہی فرق ہے آپ کے نقص میں اور کاملین کے نقص میں اُن کے تو سب اعضاء صحیح سالم ہیں۔ مگر کسی عضو میں درد ہو رہا ہے اسلئے وہ اپنے کو ناقص کہتے ہیں اور آپ کے دین کے تو اعضاء بھی ندارد ہیں تو کیا اس حالت میں آپ کو اُن کی احتیاج نہیں۔ کیا اپاہج آدمی کو اُس شخص کی احتیاج نہیں ہوتی جس کے ہاتھ پیر سالم ہیں چلتا پھرتا ہے گو کسی جگہ اُس کے درد بھی ہو۔ مجھے سخت تعجب ہوا ایک شخص

کی حالت پر جس نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط میں دیکھا تھا کہ مولانا قسم کھا کر لکھتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں تو اس سے وہ کہنے لگا کہ ہم مولانا کو سچا سمجھتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ میں کچھ نہیں تو ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں اور حیرت یہ کہ مولانا کے ایک معتقد بھی شبہ میں پڑے ہوئے تھے کہ حضرت نے یہ جھوٹی قسم کیوں کھائی۔ اس میں کیا تاویل کی جائے۔ میں نے کہا بندہ خدا ترقی تو انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ بھی ترقی کے محتاج ہیں چنانچہ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرماتے ہیں۔ وقل رب زدنی علماء۔ اسیطرح اولیاء کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ انبیاء سے زیادہ ترقی کے محتاج ہیں۔ پس مولانا کی یہ قسم کمالات حقیقیہ انتہائیہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ مولانا کی نظر طلب ترقی کی وجہ سے کمالات مستقبلہ پر ہے۔ اُن پر نظر کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں۔ اور ہمارا اعتقاد مولانا کے ساتھ کمالات موجودہ کے اعتبار سے ہے۔ اُن پر نظر کر کے مولانا سب کچھ ہیں۔ اور عارفین کی نظر کبھی اپنے کمالات موجودہ پر نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ ہر دم اُس سے آگے پر نظر رہتی ہے۔ اس لئے وہ قسم کھا کر کہدیتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہیں۔ پس اُن کی قسم بھی سچی اور ہمارا اعتقاد بھی سچا دونوں میں تعارض کچھ نہیں۔ کیونکہ تناقض کے لئے وحدت موضوع بھی شرط ہے۔ اور یہاں موضوع مختلف ہے (۱) بلکہ اگر اُن کو تمام کمالات ممکنۃ الحصول حالیہ و استقبالیہ بھی حاصل ہو جائیں۔ جس سے ترقی بھی ممکن نہ ہو۔ تب بھی چونکہ اُن کی نظر کمالات حق پر ہوتی ہے۔ اُن کے اعتبار سے پھر بھی وہ قسم کھا کر بھی کہتے ہیں کہ ہم واللہ کچھ نہیں۔

(۱) اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً ایک تحصیلدار یا کلکٹر یا کمشنر اپنے اجلاس میں مسند حکومت پر بیٹھا ہوا ہو کہ دفعتہً وائسرائے وہاں پہنچ جائے انصاف سے دل میں غور کر لیا جائے کہ اُس وقت تحصیلدار اور کلکٹر و کمشنر کی کیا حالت ہوگی۔ اُس وقت وہ مسند پر ہرگز نہ بیٹھ سکے گا اور نہ حکومت کر سکے گا۔ اور اگر اُس وقت کوئی شخص اُن کے پاس اپنی حاجت لائے اور وائسرائے کے سامنے اُن کی تعظیم و تکریم و مدح و ثنا کرنے لگا کہ حضور ایسے ہیں اور سرکار ویسے ہیں تو یقیناً یہ پانی پانی ہو جائیں گے۔ اور قسم کھا کر کہیں گے کہ واللہ ہم کچھ نہیں ہیں اس تعظیم و تکریم وغیرہ کے مستحق حضور وائسرائے بہادر ہیں۔ یہی سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے تو کیا کوئی عاقل اس قسم کی قسم کو جھوٹی کہہ سکتا ہے یا اس بات کا یہ مطلب سمجھ سکتا ہے۔ کہ کلکٹر و کمشنر واقع میں کچھ نہیں ہیں اور اُن کو کوئی عہدہ یا اختیار حاصل نہیں ہے۔ کوئی عاقل اس کا یہ مطلب نہیں سمجھ سکتا بلکہ سب یہی کہیں گے کہ کلکٹر و کمشنر بجائے خود (بقیہ برصفحہ آئندہ)

اس تقریر سے ان کا شبہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوئے۔ معتقد کا شبہ تو ذرا سے اشارے میں رفع ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس اُس مخالف کی بدحالی پر ہے جو سمجھانے سے بھی نہ سمجھا اور یہی کہتا رہا کہ آپ کی معتقدانہ تاویلات ہیں ہم تو مولانا کو سچا سمجھتے ہیں۔ اگر یہ بات اُس نے بھولے پن سے کہی ہوتی تو زیادہ افسوس نہ ہوتا جیسے ریاست رامپور میں جو پٹھانوں کی بستی ہے۔ ایک بزرگ تشریف لے گئے لوگوں میں اُن کی بزرگی کی شہرت ہوئی تو ایک خانصاحب ملنے آئے۔ اور کہنے لگے کہ میں نے حضور کی بہت تعریف سنی تھی۔ اس لئے زیارت کا اشتیاق ہوا۔ بزرگ نے فرمایا کہ یہ لوگوں کا حسن ظن ہے میں تو کچھ بھی نہیں ایک نالائق بندہ ہوں تو وہ خانصاحب کہنے لگے کہ جب آپ نالائق ہیں تو میں جاتا ہوں۔ میں خواہ مخواہ زیارت کو آیا نالایقوں کی زیارت سے کیا فایدہ ؟ یہ کہکر چلتے ہوئے راستہ میں ایک دوست ملے اُن سے پوچھا کہاں جاتے ہو۔ کہا فلاں بزرگ صاحب تشریف لائے ہیں۔ اُن کی زیارت کو جاتا ہوں۔ اُدہنوں نے کہا کہ وہ تو نالائق آدمی ہیں۔ اُن سے مل کر کیا لوگے؟ دوست نے کہا توبہ کرو توبہ! وہ تو بڑے بزرگ ہیں۔ کہا میاں وہ تو اپنی زبان سے خود اپنے کو نالائق کہتے ہیں۔ دوست نے کہا کہ بزرگ اپنے کو یوں ہی کہا کرتے ہیں کہا اچھا یہ بات ہے تو چلو ہم بھی چلیں گے وہ خانصاحب پھر آئے اور کہا حضور مجھ سے غلطی ہوئی میری خطا معاف کیجئے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ بزرگ جھوٹ بھی بولا کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ اپنے کو نالائق کہدیتے ہیں۔ اور واقع میں نالائق نہیں ہوتے میں نے تو یہ سُنا تھا کہ بزرگ سچ بولا کرتے ہیں تو جب آپ نے یہ کہا کہ میں تو نالائق بندہ ہوں۔ میں نے اس کو بھی سچ سمجھا اسلئے اُٹھکر چلا گیا۔ اس پر دوسرے صاحب نے بزرگ سے کہا کہ حضرت یہ بھولے سیدھے پٹھانوں کی بستی ہے۔ یہاں ایسی باتیں نہ کہئے یہ تواضع اور فنا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) بہت بڑا عہدہ اور اختیار رکھتے ہیں مگر وایسرائے کے منصب حکومت و عظمت و جلال کے سامنے اپنے کمالات کو لاشی سمجھتے ہیں۔ یہی حال کاملین کا ہے کہ گو وہ بجائے خود صدہا کمالات سے متصف ہوتے ہیں مگر اُن کی نظر ہر وقت کمالات حق پر رہتی ہے اور جب ایک ڈپٹی یا بادشاہ یا وایسرائے کو دیکھکر حاکم ضلع اپنے کو لاشی محض سمجھنے لگتا ہے تو عارف کمالات حق پر نظر کرکے کیونکر اپنے کمالات کو لاشی محض نہ سمجھے واللہ جسکی نظر حق تعالیٰ پر ہوگی وہ کبھی اپنے اوپر نظر نہیں کر سکتا وہ تو ایک تم کیا ہزار قسمیں کھا کر یہی کہیگا کہ میں کچھ نہیں لاشی محض ہوں مجھ میں کچھ کمال نہیں سراپا عیب ہوں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقع میں بھی کچھ نہ ہو اور نہ یہ حصر دیگر کے اعتبار سے بھی لاشی محض ہے خوب سمجھ لو۔ ۱۲ جامع

کو کچھ نہیں جانتے۔ تو اس پٹھان نے تو بھولے پن سے یہ بات کہی تھی۔ اس لئے اُس پر افسوس نہیں۔ مگر اُس مخالف نے تو جان بوجھکر حقیقت سمجھکر محض عناد سے وہ بات کہی تھی اُس کی حالت زیادہ افسوسناک ہے۔ غرض بزرگوں کے ایسے کلمات سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ اگر وہ اپنے کو ناقص کہیں تو تم اُن کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ ؎ جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد * کم کسے زابدال حق آگاہ شد * گفت اینک ما بشر ایشاں بشر * ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور * ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ * درمیاں فرقے بود بے انتہا * اُن کا نقصان ہمارے کمال سے بھی افضل ہے ؎ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر * گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر اور فرماتے ہیں ؎ گر خطا گوید ورا خاطی مگو * ور شود پُر خوں شہید اُو را مشو * خون شہیداں را ز آب اولیٰ تر است * ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است * اُن سے اگر واقع میں بھی خطا ہو تب بھی وہ ہمارے صواب سے بہتر ہے کیونکہ اُن میں ایسی استعداد موجود ہے۔ جس سے اُن کی خطا بھی نورانی ہوتی ہے۔ اور ہمارے اندر ایسی ظلمت ہے جس سے ہمارا صواب بھی ظلمانی ہوتا ہے اُن کی استعداد کی یہ حالت ہے۔ یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نارٌ نورٌ علیٰ نورٌ اُن کے زیت میں اگر آگ لگے گی تو نورٌ علیٰ نور ہوگا جس کی یہ شان ہوگی۔ وجعلنا نورًا یمشی بہ فی الناس۔ اور ہمارا زیت ایسا چکنا ہوا ہے۔ جس میں اول تو آگ لگنے کی اُمید ہی نہیں۔ اور اگر لگے گی بھی تو محض ایک ضعیف نور ہوگا جو ظلمت کے ساتھ آمیختہ ہوگا۔

پس بزرگوں کو اپنے نقص کا اعتراف کرتے ہوئے دیکھ کر ناقص سمجھنا اور اپنے برابر خیال کرنا سخت غلطی ہے۔ صاحبو! وزارت بھی بادشاہت کے اعتبار سے کم درجہ پر ہے مگر کانسٹبل سے تو افضل ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎ آسماں نسبت بعرش آمد فرود * لیک بس عالی ست پیش خاکِ تود۔ بزرگوں کا نقص ایسا ہے جیسے آسمان عرش کے سامنے کم ہے مگر یقیناً آسمان زمین وغیرہ سے تو بڑا ہی ہے۔ ہمارے کمالات کمالات ارضیہ ہیں۔ اور اُن کے کمالات سماویہ ہیں جو کمالات الٰہیہ عالیہ متعالیہ سے ضرور کم ہیں مگر ہمارے کمالات سے تو بدرجہا افضل و اکمل ہیں۔ اس لئے ہم کو اُن سے استغنا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جس کو زمین سے عرش پر جانا مقصود ہو اُسے آسمان کو ضرور طے کرنا پڑے گا۔ صاحب اہل اللہ اپنے کو ناقص کیوں نہ کہیں وہ تو خدا کے راستے کو طے کر

ہیں جس کی حالت یہ ہے کہ اے برادر بے نہایت درگہیست ہر چہ بروے میرسی بروے مایست۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ علوم دُنیا میں بھی جو لوگ صاحب کمال ہیں وہ بھی اپنے کو ناقص ہی کہتے ہیں حالانکہ۔ وہ ایک محدود کمال ہے جو ممکن الحصول ہے۔ مگر اُس کا بھی حقیقی درجہ بہت عالی ہے۔ اُس پر نظر کر کے ہر کامل اپنے کو ناقص ہی کہتا ہے دیکھئے حکیم عبدالمجید خاں اور حکیم محمود خاں اپنے فن میں کیسے کامل تھے کہ واقعی اُن کو طب کا امام کہنا چاہئے مگر کوئی اُن سے پوچھتا تو وہ یہی کہتے کہ ہم کو کیا کمال حاصل ہے کچھ بھی نہیں تو کیا اُن کے اس کہنے سے آپ یہ سمجھ لیں گے کہ وہ بھی ایسے ہی ناقص ہیں جیسے ہم ناقص ہیں۔ اور دونوں برابر ہو گئے۔ اور کیا یہ سمجھکر آپ اُن سے علاج کرانا چھوڑ دیں گے ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ اُن کی اس بات کا یہی مطلب سمجھیں گے کہ یہ اپنے کو طب کے حقیقی کمال پر نظر کر کے جو ان کے نزدیک جالینوس وبقراط وغیرہ کو حاصل تھا (گو یہ لوگ بھی اپنے کو حقیقی کمال سے قاصر ہی سمجھتے تھے۔۱۲) ناقص کہہ رہے ہیں مگر اس زمانہ میں تو یہ اس فن کے امام اور سب سے زیادہ ہی کامل ہیں۔ افسوس دُنیا کے کاموں میں تو لوگوں کو بہت جلدی عقل آجاتی ہے۔ اور کاملین دُنیا اپنے کو ناقص کہیں تو اس سے کسی کو دھوکہ نہیں ہوتا نہ اُن سے کوئی اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے مگر دین کے باب میں نہ معلوم لوگوں کی عقل کہاں جاتی رہتی ہے۔ اور یہاں اُن کو یہ دھوکہ کیوں پیش آتا ہے۔ یاد رکھو! جو صاحب کمال ہوگا وہ کبھی اپنے کو صاحب کمال نہ کہے گا۔ ہمیشہ اپنے کو ناقص ہی کہے گا۔ کیونکہ اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ وہ اُس اپنے علم کی وسعت ولاتناہی اور گہرائی سے آگاہ ہے۔ اُس پر نظر کر کے وہ اپنے کمال کو کبھی کمال نہیں کہہ سکتا۔ اور جن کو آپ مدعی کمال دیکھتے ہیں۔ اُن کو کمال کی ہوا بھی نہیں لگی دعوے کمال اکثر ناقصین ہی کیا کرتے ہیں۔ اہل اللہ کبھی دعوے نہیں کر سکتے۔ نہ اپنے کو صاحب کمال کہہ سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ کبھی تحدث بالنعمۃ کے طور پر خدا کی نعمتوں کو بیان کر دیں مگر اس وقت بھی ان میں دعوے کی شان ہرگز نہیں ہوتی بلکہ عبدیت اور عجز و فنا کی شان غالب ہوتی ہے۔ چونکہ بعض لوگوں کو کاملین کے اعتراف نقص سے دھوکہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں نے تفصیل کے ساتھ اس شبہ کو دفع کر دیا۔ کیونکہ اس چودھویں صدی کے لوگ بہت ذہین ہونے لگے ہیں۔ اور یوں سمجھتے ہیں کہ جیسے چودھویں

رات کا چاند کامل ہوتا ہے۔ ایسے ہی چودھویں صدی کے لوگ بھی کامل ہیں۔ واقعی کامل تو ہیں مگر اس میں کلام ہے کہ کامل کا ہے میں ہیں۔ دنیا کی ذہانت میں تو واقعی کامل ہیں مگر دین کی ذہانت میں کامل نہیں ہیں۔ آج کل کے آدمیوں کی عقل دنیا کے کاموں میں خوب چلتی ہے مگر دین میں کچھ نہیں چلتی (دیں یوں کہنا چاہیئے کہ آج کل مادیت کی ترقی اور روحانیت کا تنزل ہے ۱۲ جامع)

یہی وجہ ہے کہ اس وقت عام طور پر دین سے غفلت ہے اور تکمیل دین کا کسی کو اہتمام نہیں۔ اسی لئے مسائل دین پر بھی توجہ نہیں۔ کیونکہ مسائل دین کی ضرورت تو اس کو ہو جسے اپنا دین کامل کرنا ہو۔ جیسے مسایل طب کی ضرورت اس کو ہے جسے تکمیل صحت مطلوب ہو مگر آج کل صحت جسم تو لوگوں کو مطلوب ہے۔ صحت قلب مقصود نہیں تو پھر ان کو مسائل دین پر توجہ کیوں ہو۔ دیہاتیوں کو تو کیا کہا جائے وہ تو اپنے ہل باہتوں میں ایسے مشغول ہیں کہ مسایل دین کے جاننے کی بھی اُن کو فرصت نہیں عمل تو کیا ہی کرتے۔ مگر جو لوگ تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ جو تقریریں کرتے اور لکچر دیتے پھرتے ہیں۔ جن کو کتب بینی اور سیاست دانی بلکہ ہمہ دانی کا بھی دعوی ہے مسائل دین سے وہ بھی بالکل ناواقف ہیں۔ چنانچہ ایک جنٹلمین میرے ساتھ تھے۔ وہ تھانہ بھون میں جو اُن کا اصلی وطن تھا۔ فرض رباعی کی جماعت میں دو رکعت کے بعد بیٹھ گئے امام نے تو تیسری رکعت کا قیام کیا اور انہوں نے نماز ختم کر دی لوگوں نے بعد میں اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہا میں مسافر ہوں اس لئے میں نے قصر کیا ہے۔ سبحان اللہ! اول تو وطن اصلی میں پہنچکر سفر کیسا۔ پھر وہ بھی امام مقیم کے پیچھے۔ اسی طرح ایک صاحب ہمیشہ حضر میں قصر کیا کرتے تھے اور وجہ یہ بتلاتے کہ حدیث میں ہے کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل اور ہم اس کے موافق عمل کرتے ہیں تو ہم ہر وقت مسافر ہی رہتے ہیں۔ گو وطن کے اندر ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسے لوگ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اور اُن کو استدلالات سوجھا کرتے ہیں مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی ایسوں کی نسبت فرماتے تھے کہ یہ لوگ اہل حدیث تو ہیں۔ مگر حدیث سے مراد حدیث رسول نہیں۔ بلکہ حدیث النفس ہے یہ لوگ حدیث النفس کا اتباع کرتے ہیں۔ واقعی اکثر تو ایسے ہی ہیں۔ میں سب کو نہیں کہتا۔ بھلا ان حضرت سے کوئی یہ پوچھے کہ تم نے اس حدیث پر عمل کر کے نماز میں تو قصر کیا۔ دُنیا کے کاموں میں بھی تو قصر کیا ہوتا۔ مسافر کے ساتھ سفر

میں نہ پلنگ ہوتا ہے نہ تخت نہ میز ہوتی ہے نہ کرسی نہ کپڑوں کے دس بیس جوڑے ہوتے ہیں نہ زمین جائداد ساتھ ہوتی ہے نہ مکان ذاتی ہوتا ہے تو تم نے ان چیزوں میں بھی تو قصر کیا ہوتا مگر ان میں کوئی اختصار نہیں کیا جاتا۔ پس تمہارا یہ دعوے غلط ہے کہ ہم حدیث کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل پر عمل کرتے ہیں (اور اگر کوئی دنیا کے کاموں میں بھی اختصار کرے تب بھی اُسے اس حدیث سے قصر صلوٰۃ فی الحضر پر استدلال کی گنجائش نہیں کیونکہ کن فی الدنیا کی قید صراحتہ موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور دُنیا کے کاموں میں مسافر کی طرح رہنے کا امر فرما رہے ہیں نہ کہ دین کے کاموں میں۔ دوسرے آپ نے یہ تو نہیں فرمایا کن فی الدنیا مسافرًا بلکہ کانک مسافر فرمایا ہے اور قصر کی اجازت مسافر حقیقی کو ہے نہ کہ مماثل مسافر کو خوب سمجھ لو) ایک صاحب کی حکایت سنی ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے جنگل میں کھیت پر جاتے تو قصر کیا کرتے اور کہتے کہ قرآن میں اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ مطلق آیا ہے اس میں مطلقاً زمین میں چلنے پر قصر کی اجازت دی گئی ہے۔ تین دن یا چار دن کی مسافت کا کچھ ذکر نہیں یہ بھی کوئی اہل حدیث ہی میں سے تھے۔ مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری نے فرمایا تھا کہ پھر جنگل اور کھیت ہی میں جا کر قصر کیوں کرتے ہو بلکہ گھر سے محلہ کی مسجد میں آکر بھی قصر کیا کرو کیونکہ اذا ضربتم فی الارض تو اس پر بھی صادق ہے۔ یہ فہم اور دین رہ گیا ہے۔ کچھ نہیں بس یہ لوگ ضربتم بصیغۂ مجہول کے مستحق ہیں پھر غضب یہ کہ اس فہم پر یہ لوگ اپنے کو تعلیمیافتہ سمجھتے ہیں بس جس نے ایک دو کتابیں ادب تاریخ کی دیکھ لیں وہ بھی اپنے کو عالم سمجھتا ہے اور اس سے بڑھکر یہ کہ جنٹلمینوں نے انگریزی پڑھنے کو بھی علم میں شمار کر لیا ہے۔ اور جتنے فضائل احادیث میں علم کے لئے وارد ہیں۔ انگریزی تعلیم پر بھی اُن کو جاری کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق یہ حضرات ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں اطلبوا العلم ولو بالصین (ترجمہ) علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں بھی ہو۱۲) وہ کہتے ہیں کہ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چین سے بھی طلب علم کی ترغیب دی ہے۔ حالانکہ اُس وقت چین میں دین کا علم بالکل نہ تھا بلکہ محض دنیوی علم تھا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلق علم کی ترغیب دے رہے ہیں خواہ دنیا کا علم ہو یا دین کا۔ بس انگریزی بھی علم ہے اور اس حدیث کے

تحت میں داخل ہے۔ ان لوگوں کو اول تو اس حدیث کا ثبوت دینا چاہیئے۔ ان الفاظ سے یہ
حدیث محدثین کے نزدیک ثابت ہی نہیں (قلت ذکرہ فی المقاصد طریقین وقال ھو
ضعیف من الوجہین وقال ابن حبان انہ باطل لا اصل لہ۔ واخرجہ ابن الجوزی
فی الموضوعات ۱م ص ۳۰ = قال واخرجہ البیہقی فی الشعب قلت وقد التزم ان
لا یخرج موضوعاً فالاشبہ الحکم علیہ بالضعف والضعیف لا یحتج بہ فی الاحکام جامع
اور اگر ثابت بھی ہو تب بھی ان لوگوں کا مدعا اس سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے لفظ
وَلَو پر نظر نہیں کی۔ یہ لفظ فرض کے لئے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض چین میں بھی علم
ہو تو وہاں سے بھی کوشش کرکے حاصل کرنا چاہیئے۔ اور فرض اُسی چیز کو کیا جاتا ہے جو معدوم
یا مستبعد ہو۔ موجود کو فرض نہیں کیا جاتا۔ اور دنیوی علم کا چین میں اُس وقت موجود ہونا آپ
کو مسلم ہے تو اس کو لفظ وَلَو سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا معلوم ہوا کہ حضور کی مراد اس حدیث میں
وہی علم ہے جو چین میں اُس وقت موجود نہ تھا۔ اس لئے بطور فرض کے فرما رہے ہیں کہ اگر
وہاں بھی ہو تو حاصل کرو اور وہ علم دین ہی ہے۔ ورنہ اگر علم کو ایسا عام کیا گیا کہ دنیوی علم
بھی اُس میں داخل ہو جائیں تو پھر ایک بھنگی اور چمار کو بھی عالم کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اُس کو بھی
دُنیا کا ایک علم حاصل ہے جو کام وہ کرتا ہے۔ اُس کو وہ خوب جانتا ہے۔ اگر آپ ان کاموں
کو بھی علم میں داخل کر لیں گے تو پھر آپ کی خاطر سے ہم انگریزی کو بھی اس میں داخل کر لیں گے
اور خیر جانے دیجئے ہم لفظ وَلَو سے بھی استدلال نہیں کرتے مگر ہم کہتے ہیں کہ اطلبوا العلم
ولو بالصین میں تو تصریح نہیں کہ اس سے کون سا علم مراد ہے اب شریعت کی دوسری
نصوص سے اس کو دریافت کیا جاوے بس علم شرعی وہ ہے جس کو شریعت علم کہتی ہے جس
کے جاننے والوں میں ایک شیخ سعدی بھی ہیں وہ فرماتے ہیں ؎ علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت
است۔ اور حدیث میں ہے الدنیا ملعونۃ وما فیہا ملعون الا ذکر اللہ وما والاہ الحدیث
معلوم ہوا کہ جو چیز خدا کی طرف قریب نہ کرے وہ دُنیا ہے ملعونہ ہے۔ اس میں ایسے علوم بھی
داخل ہیں۔ اب میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ کیا سائنس اور جغرافیہ اور انگریزی زبان سے
خدا کی طرف قرب ہوتا ہے؟ وصل ہوتا ہے یا فصل قرب ہوتا ہے یا بُعد مشاہدہ ہے کہ ان سے

بعد ہی بڑھتا ہے ۔ گو چاہئے تو یہ تھا کہ سائنس سے اور خدا کی طرف قرب بڑھتا ۔ کیونکہ اس سے
قدرت صانع کا انکشاف زیادہ ہوتا ہے اور اپنا عجز زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے ۔ کیونکہ اہل سائنس
رات دن ترقی کی فکر میں رہتے ہیں ۔ اس لئے ان کے مقاصد بہت وسیع ہیں ۔ جن میں کثرت
سے ایسے مقاصد بھی ہیں جو عرصہ تک پورے نہیں ہوتے ۔ زمانہ دراز تک ان میں ناکامی رہتی
ہے ۔ بخلاف ہمارے مقاصد کے کہ وہ معدودے چند ہیں جو اکثر پورے ہو جاتے ہیں مگر ہم
پھر بھی اپنے عجز کے معترف ہیں ۔ اور ان لوگوں کے زیادہ مقاصد ناکام رہتے ہیں جو کھلی
دلیل ہے عجز کی مگر یہ لوگ باوجود مشاہدہ عجز زائد کے پھر بھی اپنے کو قادر کہتے ہیں ۔ وجہ یہ کہ
یہ لوگ اپنے عجز پر نظر نہیں کرتے ۔ بس عرصہ کے بعد جو کسی مقصود میں کامیابی ہو گئی ۔ اس پر
نازاں ہوتے ہیں کہ ہم نے یہ ایجاد کر لی ۔ ڈلے پتھر ایجاد کر لی ۔ اگر ایجاد تمہارے اختیار میں
تھی تو پہلے ہی دن کیوں نہ ایجاد کر لی ۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ سوچو اور غور کرو ۔ باقی ذہن
میں ایجاد کا صحیح طریق آ جانا یہ تمہارے اختیار سے بالکل خارج ہے ۔ یہ محض حق تعالیٰ کے قبضہ
میں ہے مگر عادت الہیہ یہ ہے کہ جب کسی بات کے لئے انسان غور و فکر کرتا ہے تو وہ اکثر راستے
کھول دیتے ہیں ۔ اور بعض دفعہ اپنی قدرت ظاہر کرنے کے لئے ہزار غور و فکر کے بعد بھی حقیقت
ظاہر نہیں کرتے ۔ چنانچہ اب تک کسی کو یہ بات نہیں معلوم ہوئی کہ مقناطیس لوہے کو کیوں جذب
کرتا ہے اور ایسی نظائر بکثرت موجود ہیں ۔ اگر غور و فکر کے بعد حقیقت تک پہنچ جانا تمہارے
اختیار میں ہے تو ان چیزوں کی حقیقت کا انکشاف کیوں نہ کر لیا ۔ غرض تجربے سے یہ بات
مشاہد ہے کہ جو عوارض کہ بمنزلہ لوازم کے ہیں ایسے جمع ہو رہے ہیں کہ سائنس اور جغرافیہ سے
قرب خداوندی نہیں بڑھتا بلکہ بعد ہی ہوتا ہے تو یہ علم شرعی میں داخل نہیں ہو سکتے ۔ اور نہ ان
کے جاننے سے دین کا علم حاصل ہو سکتا ہے ۔ ہاں ایسے لوگوں کو ایسا علم دین البتہ حاصل ہو جاتا
ہے جیسے ایک لیڈر کا قصہ ہے جو آج کل مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں کہ کسی جگہ نماز کا وقت
آ گیا اور پانی نہ تھا تیمم کی ضرورت ہوئی تو لیڈر صاحب نے اس طرح تیمم کیا کہ اول تو مٹی کو ہاتھوں
پر بہایا ۔ جیسے پانی کو بہایا کرتے ہیں ۔ پھر کلی کرنے کے واسطے موہنہ میں مٹی دی ۔ شاید اس کے بعد وہ
دو تھپڑ بھر کر منہ پر بھی ڈالتے اور مسح کے لئے سر پر بھی ڈالتے اور پیروں پر بھی مٹی بہاتے مگر منہ میں بہا

مٹی دیتے ہوئے بعض لوگ ہنس پڑے۔ اس لئے وہ آگے نہ بڑھ سکے بس انگریزی پڑھ کر ایسا
علم آتا ہے کہ عقل خاک میں مل جاتی ہے۔ بھلا اگر وہ کسی سے پوچھ ہی لیتے کہ تیمم کا طریقہ کیا ہے۔
تو اس میں کچھ ہرج تھا۔ مگر پوچھتے کس طرح لیڈر ہو کر اپنی جہل کو کیوں کر ظاہر کریں گو مٹی سے
کلی کر کے اس سے زیادہ جہل ظاہر کر دیا۔ اور مزا یہ کہ ظہور جہل کے بعد بھی وہ قوم کے لیڈر ہی رہے
یہ حالت قوم کی ہے کہ اس جہل پر بھی اُن کو مقتدا ہی بنائے رکھا۔ اُن ہی حضرت کا یہ واقعہ بھی
ہے کہ ایک دفعہ موٹر میں سوار تھے نماز کا وقت آگیا موٹر ٹھہرایا گیا۔ اور اُسی میں بیٹھے بیٹھے نماز
پڑھ لی حالانکہ سامنے سڑک پر ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے تھے مگر اُنہوں نے موٹر کے
اندر ہی بیٹھ کر پڑھی۔ بھلا موٹر میں ترک قیام کس طرح جائز ہو گیا۔ جب کہ موٹر کھڑا ہوا تھا۔
چلتی ریل میں تو اگر گرنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر نماز کی گنجایش بھی ہے مگر موٹر میں تو چلتے ہوئے
بھی ترک قیام کی گنجایش نہیں۔ کیونکہ اُس کا ٹھہرا لینا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے اور ریل
کا ٹھہرانا ہمارے اختیار میں نہیں۔ اور اگر موٹر کھڑا ہوا ہو تب تو کسی طرح ترک قیام کی گنجایش
نہیں کیونکہ اُس کا ٹھہرا لینا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے اور ریل کا ٹھہرانا ہمارے اختیار
میں نہیں۔ اور اگر موٹر کھڑا ہوا ہو تب تو کسی طرح ترک قیام کی گنجایش نہیں۔ مگر ان لوگوں
نے تو محض لیڈر بننے کے لئے نماز شروع کی ہے۔ اس لئے نماز بھی لیڈری ہوتی ہے۔ شرعی
نماز کی اُن کو کیا ضرورت ہے۔ گو ایسی غلطیاں دیہاتیوں سے بھی ہوتی ہیں۔ اور اُن کو بھی
مسائل کا علم نہیں مگر وہ اپنے کو تعلیمیافتہ تو نہیں کہتے نہ علم کا دعوے کرتے ہیں۔ بلکہ بیچارے
اپنے جہل کا اقرار کرتے ہیں تو گو اُن سے بھی علم دین سے غفلت کرنے پر کچھ مواخذہ ہو مگر شاید
ان کے عجز و نیاز کی وجہ سے ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ ہو جائے۔ چاہے تھوڑی سی سزا کے
بعد ہی سہی حق تعالیٰ کو عاجز پر بہت رحم آتا ہے۔ اس لئے بعض دفعہ گنہگاروں کو اُن کی
عاجزی پر بخشش دیا جاتا ہے اور دعوے کے ساتھ سارا علم اور تصوف اور تقویٰ بھی دھرا رہ جاتا
ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے جن کا نام گلاب خاں تھا نیک اور صاحب علم تھے۔ مجھ سے ایک
طویل خواب دیکھنا بیان کیا جزو مقصود اُس کا بیان کرتا ہوں یہ دیکھا کہ میدان قیامت قائم ہے
اور حق تعالیٰ ایک ایک کا حساب لے رہے ہیں۔ اور یہ حساب مختلف کتابوں کے امتحان کے رنگ

میں ع ہے۔ اور عرش پر حق تعالیٰ کی تجلی ہے اور عرش کے ایک گوشہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں۔ میں بہت ڈر رہا ہوں کہ میرا ابھی حساب ہوگا۔ اتنے میں کسی شخص کا امتحان ہوا اور اس پر بہت خفگی ہوئی اور ایسی غضبناک آواز میں خفگی محسوس ہوئی کہ رعد کی کوئی حقیقت نہیں میں حضور اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کچھ مدد فرمایئے ارشاد ہوا خفگی کے وقت میں کیا کروں۔ جب میں نے دوبارہ عرض کیا تو ارشاد فرمایا تم یوں کہدینا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ چنانچہ مجھکو پکارا گیا کہ جلالین میں (غالباً) امتحان دو میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں اس پر تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اچھا ایک دن کی قید (جو اوروں کی سزا سے بہت ہی خفیف تھی) اور اس سزا کے بعد بھی بہت جلد نجات بھی دیدی۔ یہ تو عاجز کے ساتھ معاملہ تھا۔ اب دعوے کا حال سنئے حضرت بایزید بسطامی رح کا قصہ ہے کہ اُن کو کسی نے بعد وفات کے خواب میں دیکھا پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا مجھے سوال ہوا تھا کہ ہمارے واسطے کیا لائے میں نے سوچا کہ اور اعمال تو میرے ناقص ہیں اُن کا تو کیا نام لوں البتہ میں مسلمان ہوں اور بحمد اللہ توحید میری کامل ہے۔ اس کو پیش کردوں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ توحید لایا ہوں ارشاد ہوا اما تذکر لیلۃ اللبن وہ دودھ والی رات بھی یاد نہیں رہی یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک رات حضرت بایزید رح نے دودھ پیا تھا۔ اس کے بعد پیٹ میں درد ہوگیا تو آپ کے منہ سے نکل گیا کہ دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہوگیا۔ اس پر مؤاخذہ ہوا کہ تم نے درد کو دودھ کیطرف منسوب کیا یہی توحید ہے دودھ کی کیا ہستی ہے جو کچھ تاثیر کرسکے۔ اسباب میں فی نفسہ کچھ تاثیر نہیں یہ تو محض علامات وامارات ہیں۔ مؤثر حقیقت میں حق تعالیٰ ہیں۔ اور گو آثار کی نسبت اسباب کی طرف کردینا شرعاً جائز ہے مگر کاملین سے بعض مباحات پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے۔ پھر وہ اسناد مجازی کا استعمال کس لئے کرتے ہیں اُن کو ہمیشہ اسناد حقیقی کا لحاظ کرنا چاہئے۔ اور اسباب کی طرف مسببات کی اسناد حقیقی نہیں ہوسکتی۔ اُن کی تو حالت مشاہدہ کی یہ ہے سہ
ابر وباد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

بنا روہ ہوا تا نگوئی بہار * زمین را د ر د تا نگوئی بیار۔ اسباب بدون حکم کے کچھ نہیں کرسکتے۔ عارف کا تو مذاق یہ ہوتا ہے سہ

گر گزندت رسد ز خلق مرنج ٭ کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج ٭ از خدا داں خلاف دشمن و دوست ٭ کہ دل ہر دو در تصرف اوست۔ جس کا یہ مذاق ہو اور جس پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہو اس کی زبان سے یہ بات کیونکر نکل سکتی ہے کہ وو دھ سے پیٹ میں درد ہو گیا۔ مولانا اسی باب میں فرماتے ہیں ؎ انت کالریح ونحن کالغبار ٭ یخفی الریح وغبراہا جہار۔ ماہمہ شیران ولے شیر علم ٭ حملہ شان از باد باشد دمبدم۔ حملہ شان پیدا و ناپیداست باد ٭ آنکہ ناپیداست ہرگز کم مباد۔ (اے از دل ما ۱۲) یعنی حق تعالیٰ کے سامنے اسباب کی ایسی مثال ہے جیسے ہوا کے سامنے غبار ہوتا ہے۔ ظاہر میں غبار اُڑتا ہوا نظر آتا ہے ہوا نظر نہیں آتی مگر ظاہر ہے کہ غبار کی حرکت جو کچھ ہے وہ ہوا ہی کی وجہ سے ہے آگے فرماتے ہیں کہ ہم بھی ظاہر میں شیر کی طرح حملہ کرتے ہیں مگر ہم ایسے شیر ہیں جیسے جھنڈے پر شیر کی تصویر بنی ہوتی ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو وہ حملہ آور معلوم ہوتا ہے مگر حملہ تو ظاہر ہے۔ اور ہوا جس سے اُن کی حرکت اور حملہ کا وجود ہوا ہے مخفی ہے اسی طرح ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اُس کا منشار حق تعالیٰ کی مشیت ہے مگر ارادہ حق مخفی ہے اور ہمارے اعمال ظاہر ہیں۔ اس لئے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ وہ اسباب کو فاعل کہہ دیتے ہیں۔ مولانا چونکہ ادب سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے آگے ان تشبیہات و تمثیلات سے استغفار کرتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے لئے کوئی تشبیہ حقیقی نہیں ہو سکتی سب ناقص مثالیں ہیں اس لئے فرماتے ہیں ؎ اے برون از وہم و قال و قیل من ٭ خاک بر فرق من و تمثیل من۔ سبحان اللہ مولانا کو کیسے عمدہ الفاظ ملتے ہیں۔ مثنوی میں معنوی خوبی تو ہے ہی ظاہری بلاغت و فصاحت بھی بہت اعلیٰ پایہ کی ہے آگے ان تشبیہوں کا عذر بیان کرتے ہیں۔ کہ جب یہ مثالیں ناقص ہیں تو پھر اُن کو بیان ہی کیوں کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ بتلاتے ہیں ؎ بندہ نہ شکیبد ز تصویر خوشت ٭ ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت۔ یعنی بندہ کو آپ کی خوشنما تصویر بیان کرنے سے صبر نہیں آتا۔ کیونکہ آپ کو دیکھ تو سکتے نہیں تو پھر کیا آپ کے کمالات کو بھی نہ سمجھیں اور آپ کی صفات سے بھی مزے نہ لیں اور اس کے لئے تمثیل وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس گو یہ ناقص مثالیں ہیں مگر ان سے صفات کمال الٰہیہ تک کسی قدر ذہن پہنچ جاتا ہے۔ علماء ظاہر بعض دفعہ عارفین کو بے ادب کہہ دیتے ہیں

کیونکہ ان کے کلام میں تمثیلات بہ کثرت ہوتی ہیں۔ کہیں حق تعالیٰ کو ہوا سے تشبیہہ دیتے ہیں کہیں دریا سے کہیں آفتاب سے مگر حقیقت میں عارفین سے زیادہ مودب کوئی نہیں اور ان تمثیلات کا عذر مولانا نے بیان کر دیا ہے کہ عاشق کو محبوب کی تصویر سے صبر نہیں ہوتا اُسے تصویر بھی پیاری ہوتی ہے حالانکہ ذات کے آگے تصویر ہے کیا چیز محض چند نقوش کا مجموعہ ہے۔ مگر جو عشق سے آشنا ہے وہ جانتا ہے کہ کاغذ کی تصویر بھی اُسے کس قدر عزیز ہوتی ہے جب محبوب سامنے نہ ہو تو اُس کی تصویر ہی سے دل کو کسی قدر تسلی ہو جاتی ہے۔ یہی حال عارفین کی تمثیلات کا ہے کہ وہ صفات آلہیہ کے تصویر کیواسطے ناقص شالوں کو ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ پس گو ظاہر میں یہ بے ادبی معلوم ہو مگر ان کا باطن عشق کی وجہ سے سراپا ادب ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎ بے ادب ترنیست زدکس درجہاں۔ اور۔ باادب ترنیست زوکس درجہاں۔ غرض مولانا نے اس مقام پر یہ ظاہر فرما دیا ہے کہ موثر حقیقی حق تعالیٰ ہیں اور کوئی چیز موثر نہیں۔ اس مسئلہ کو مولانا نے تمثیلات سے بخوبی واضح کر دیا ہے اور بات یہ ہے کہ یہ مثالیں گو ناقص ہوں مگر ان سے مضمون کی توضیح خوب ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین کے کلام سے مخاطب کی تسلی ہو جاتی ہے۔ اور علماء ظاہر کے کلام سے تسلی نہیں ہوتی کیونکہ اُن کو ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔ جن سے معقول کو محسوس بنا دیں عارفین کو نہ معلوم یہ مثالیں کہاں سے مل جاتی ہیں وہ دقیق سے دقیق مضمون کو مثالوں سے ایسا واضح کر دیتے ہیں کہ بات دل میں گھس جاتی ہے۔ عارفین نے اس طرز میں عادۃ اللہ اور عادۃ الانبیاء کا اتباع کیا ہے۔ حق تعالیٰ کے کلام میں بھی مثالیں بہت ہوتی ہیں۔ چنانچہ زبور کا زیادہ حصہ امثال ہی ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور حکماء کے اقوال میں بھی امثال بکثرت ہیں۔

جب کمالِ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف کسی فعل کی اسناد نہ کی جائے۔ نہ حقیقی نہ مجازی بلکہ ہر فعل کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف کی جائے تو عارف کے نزدیک یہ بات توحید کے خلاف کیوں نہ ہوتی کہ دودھ سے درد ہو گیا چونکہ حضرت بایزید رح عارف کامل تھے اسلئے اُن سے اُن کے درجہ کے موافق مواخذہ ہوا کہ یہی توحید ہے جس کو تم ہمارے واسطے لائے ہو۔ کہ دودھ کی طرف درد کی نسبت کرتے ہو۔ حضرت بایزید رح یہ سُن کر گھبرا گئے اور عرض کیا آلہی میرے

پاس تو کچھ بھی نہیں ارشاد ہوا کہ راہ پر آ گئے تو جاؤ اب ہم تم کو ایسے عمل سے بخشتے ہیں جس پر تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ اس سے بخشش ہو جائے گی وہ یہ کہ تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے کو سردی میں اکڑتے ہوئے دیکھا تھا تم کو اس پر رحم آیا۔ اور اپنے لحاف میں لا کر سلا لیا۔ اس بچہ نے دعا کی کہ اے اللہ اس کو بھی ایسی ہی راحت دیجئے جیسے اس نے مجھے راحت دی جاؤ آج ہم تمکو اس بلی کے بچہ کی دعا سے بخشتے ہیں سارا تصوف گاؤ خورد ہو گیا سارے مراقبے اور مجاہدے رکھے رہ گئے اور ایک بلی کے بچہ کی سفارش سے بخشے گئے آپ نے دیکھا کہ ذرا سے دعوے میں حقیقت کھل گئی اور معلوم ہو گیا کہ ہماری توحید بھی ناقص ہے وہ بھی اس قابل نہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کی جا سکے حالانکہ حضرت بایزید رح واقع میں عارف کامل تھے۔ ان میں تو محض ایک معنی کر اضافی نقص تھا۔ جب ان سے ذرا سے دعوے پر مواخذہ ہوا تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ جہاں اضافی نقص کیا معنی حقیقی نقص موجود ہے بلکہ سر سے پیر تک نقص ہی نقص ہے اور اس پر دعوے ایسے لمبے چوڑے کہ اپنے کو تعلیم یافتہ اور عالم اور مقتدا اور مجتہد سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اور عمل کی یہ حالت ہے کہ رات دن گناہوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جو دیندار بھی کہلاتے ہیں وہ کسی ایک کام کے اعتبار سے دیندار ہیں۔ دوسرے کاموں میں وہ دینداری کی ذرا پرواہ نہیں کرتے۔ جیسے آج کل کے ڈاکٹر ہوتے ہیں کہ کوئی آنکھ کے علاج میں ماہر ہو جاتا ہے وہ یہی کام کرتا ہے اور اسی میں مشہور ہو جاتا ہے آنکھ کے سوا وہ کسی عضو کا علاج نہیں کرتا۔ دوسرا دانت کے علاج میں ماہر ہے وہ اسی کا کام کرتا ہے کوئی چیر پھاڑ کا مشاق ہے وہ زخموں ہی کا علاج کرتا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی دین کے شعبوں میں انتخاب کر لیا ہے جیسے گلستاں بوستاں کا انتخاب کیا گیا ہے حالانکہ اول تو طبیب کے لئے بھی یہ بات عیب کی ہے کہ وہ کسی خاص مرض ہی کا معالجہ کرتا ہے کمال جامعیت ہی میں ہے لیکن اگر وہ انتخاب کرے تو چنداں مضائقہ نہیں مگر مریض کو تو انتخاب نہ کرنا چاہیئے کہ اس کی آنکھ ناک اور ہاتھ پیر میں بیماری ہو تو ان میں سے صرف ایک کا علاج کرے اور باقی اعضاء کا علاج نہ کرے مریض کو ایک عضو کا علاج کر کے کبھی صحت نہیں ہو سکتی اس کو تو سارے ہی جسم کا علاج ضروری ہے ورنہ بیکار ہو جائے گا۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ چند اعضاء میں نقص ہو تو ایک کا علاج پہلے کرے دوسرے کا پیچھے مگر علاج تو سارے جسم کا

ہی ضروری ہے اُس میں یہ انتخاب کر لینا کہ ایک کا علاج ہو ایک کا نہ ہو سخت حماقت ہے۔ لیکن آج کل انتخاب کا بازار گرم ہے ہر چیز کا ست نکالا جاتا ہے۔ دین کا بھی ست نکال لیا گیا۔ مگر اس کا نتیجہ وہی ہو گا کہ ایک شخص کی آنکھ اور ناک اور ہاتھ پیروں میں مرض تھا اور اُس نے صرف آنکھ کا علاج کیا تو ظاہر ہے کہ وہ لنگڑا لنجا ہو جائے گا۔ اس انتخاب پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کسی سلطان بادشاہ کے زمانہ میں ایک ملحد نے قرآن پر اعتراض کیا تھا کہ اس میں مکرر آیات بھی موجود ہیں اس لئے یہ خدا کا کلام نہیں معلوم ہوتا۔ بادشاہ نے اس کو گرفتار کر کے بلایا اور پوچھا کہ قرآن پر تجھکو کیا شبہ ہے بیان کر۔ اُس نے یہی کہا کہ قرآن میں بعض جگہ مکررات موجود ہیں اس لئے یہ خدا کا کلام نہیں معلوم ہوتا خدا تعالیٰ کو مکررات لانے کی کیا ضرورت تھی۔ بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ اس شخص کے اعضاء مکررہ میں سے ایک ایک کاٹ دو ایک ہاتھ رہنے دو اور ایک پیر ایک آنکھ رہنے دو اور ایک کان کیونکہ یہ خدا کا بنایا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ خدا تعالیٰ کو مکررات کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوتا ہے کسی نے اس میں اضافہ کیا ہے۔ لہذا مکررات کو حذف کر دو۔ اور ایک ایک عضو رہنے دو۔ واقعی خوب سزا دی۔ اسیطرح آج کل ہمارے بھائیوں نے دین میں انتخاب کیا ہے کوئی نماز کو ضروری سمجھتا ہے اور نماز ہی کی پابندی کرتا ہے نہ زکوۃ دے نہ حج کرے نہ معاملات میں سود اور رشوت سے پرہیز کرے۔ کوئی روزہ کو ضروری سمجھتا ہے اور رمضان میں روزہ کا خوب اہتمام کرتا ہے اور بقیہ اعمال وطاعات کو بالائے طاق رکھدیتا ہے کوئی حج کو ضروری خیال کرتا ہی اور حج کر کے اپنے خیال میں جنت کا مالک ہو جاتا ہے اب نہ ظلم سے بچنے کا اہتمام ہے نہ غصب سے نہ امانت میں خیانت سے نہ زنا وغیرہ سے۔ لوگ ایسے ہی حاجی کو پاجی کہتے ہیں۔ غرض اتنا اختلاف ہے آراء افراد میں کہ اس کو دیکھ کر یہ کہنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نوع نہیں۔ کیونکہ نوع کے افراد میں اتنا اختلاف نہیں ہوتا بلکہ جنس ہے اور اسکے افراد انواع ہیں جن میں ہر نوع منحصر فی فرد واحد ہے مولانا محمد یعقوب صاحب کی یہ تقریر ہے۔ واقعی قیمتی لطیفہ ہے۔ انسان کے ہر ہر فرد کی طبیعت کو دوسرے سے اتنا اختلاف ہے کہ دونوں کو متحد کہنا بعید معلوم ہوتا ہے منطقیوں نے نطق میں سب کو متحد مانا ہے جس سے ادراک مراد ہے۔ ایک دیہاتی اور ایک عاقل فلسفی کے ادراک میں اتنا زمین آسمان کا فرق ہے کہ دونوں کو ایک ادراک کے تحت میں داخل کرنا نہایت دشوار ہے۔ بس فلاسفہ ہی نے دونوں

کو ایک نوع کے افراد سمجھا ہے ممکن ہے اُن کا ادراک ایسا ہی ہو جو تمام افرادِ انسان سے متحد ہو سکتا ہو ہم تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام ابو حنیفہ کا اور ایک کاشتکار ہل جوتنے والے کا ادراک ایک ہی حقیقت کے دو فرد ہیں۔ خیر یہ تو اپنی اپنی اصطلاح ہے کہ کوئی اس اختلاف کے بعد بھی انسان کو نوع کہے اور کوئی اس کو نوعیت کے منافی سمجھکر انسان کو جنس کہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی رائے میں اس درجہ اختلاف ہے کہ شاید اجناس میں بھی اتنا اختلاف نہ ہو اسی وجہ سے دین کے اجزاء میں انتخاب کرنے والے بھی باہم مختلف ہیں۔ جو نماز کو ضروری سمجھتا ہے وہ نماز کے وقت تو دیندار معلوم ہوتا ہے بہت گڑگڑا کر منہ بنا کر دعائیں مانگتا ہے جیسے بالکل فرشتہ ہیں اور جہاں مسجد سے باہر نکلے پھر شیطان بھی ان سے پناہ مانگتا ہے۔ بس یہ حالت ہے

؎ گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما * گہ خندہ زند دیو ز ناپاکی ما - ایماں چو سلامت بلب گور بریم * احسنت بریں چستی و چالاکی ما۔ گر زندہ برم بگور ایماں خودم *

بعض لوگ نماز روزہ حج زکوۃ سب کے پابند ہیں۔ ظاہری گناہوں سے بھی بچتے ہیں مگر اُن کو اصلاح اخلاق کا اہتمام نہیں۔ تکبر۔ حسد۔ کینہ۔ ریاء وغیرہ میں مبتلا ہیں۔ اور عجب سے تو شاید ہی کوئی بچا ہو۔ نماز پڑھکر اپنی حالت کو دوسروں سے اچھا سمجھتے ہیں بے نمازیوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اہل علم اور ذاکرین بھی اس مرض میں مبتلا ہیں علماء کو اپنے علم پر ناز ہے وہ جہلاء کو جانور سمجھتے ہیں ذاکرین کو ذکر و شغل پر ناز ہے وہ غیر ذاکرین کو بیہودہ سمجھتے ہیں یہاں ایک علمی شبہ ہوتا ہے میں اُس کو رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اگر کوئی آدمی نماز پڑھے روزہ رکھے تو کیا وہ اپنے کو نمازی نہ سمجھے بے نمازی ہی سمجھے اور خدا نے ایمان کی دولت عطا کی ہے تو کیا وہ اپنے کو مومن نہ سمجھے اپنے کو کافر سمجھے اگر یہی تواضع ہے تو یہ تو ایسا قصہ ہوا جیسے میں ایک دفعہ الہ آباد سے کانپور جا رہا تھا۔ ریل میں چند نوجوان جنٹلمین سوار تھے۔ اور ایک منصف صاحب بھی سوار تھے۔ وہ منصف صاحب پرانے آدمی سادی وضع کے تھے تو جنٹلمینوں نے اُن کو بنانا شروع کیا کھانے کا دسترخوان بچھایا اور ایک نے منصف صاحب سے کہا کہ جناب آپ بھی گوہ موت کچھ کھا لیجئے دوسرے ساتھی نے کہا کہ کمبخت توبہ کر تو یہ کھانے کو گوہ موت کہتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ اپنے کھانے کو کھانا کہنا یہ بھی تکبر ہے اس حیثیت سے کہ اپنا کھانا ہے گوہ موت کہنا ہی تواضع ہے۔ اس قاعدہ سے تو وقتی

اپنے ایمان کو ایمان کہنا تکبر ہے اور اُسے کفر کہنا ہی تواضع ہے مگر شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ ناشکری میں داخل ہے تو اگر نماز پڑھکر اپنے کو نمازی نہ کہے تب تو ناشکری اور اگر نماز پڑھکر اپنے کو نمازی سمجھیں اور نمازی کہیں تو یہ لاتزکوا انفسکم کے خلاف ہے اور عجب میں داخل ہے تو اب حیرت ہوتی ہے کہ کیا کریں اور کیا سمجھیں اور کیا کہیں۔ اس حیرت میں بعض ناحقیقت شناس تو گھبرا کر کہہ اُٹھے ؎ درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ؂ باز می گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش (وقال شاعر من العرب ؎ القاہ فی الیم مکتوفاً وقال لہ؂ ایاک ایاک لا تبتل بالماء ۱۲ جامع) مگر محققین نے اس حیرت کو رفع فرمایا وہ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھکر اپنے کو نمازی ہی کہے اور نمازی سمجھے مگر ساتھ میں یہ بھی سمجھے کہ یہ میرا کمال نہیں بلکہ محض عطائے حق ہے۔ اور یوں کہے ؎ واللہ لولا اللہ ما اہتدینا ؂ ولا تصدقنا ولا صلینا اور یوں کہے الحمد للہ الذی ھدینا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدینا اللہ یعنی بخدا اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو نہ ہم سے صدقہ خیرات ہو سکتا نہ نماز پڑھ سکتے۔ خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہم کو ان کاموں کی توفیق دی اگر خدا تعالیٰ توفیق نہ دے تو ہم ہرگز یہ کام نہ کرسکتے۔

صاحبو! اگر کسی چمار کو بادشاہ ایک بیش قیمت موتی دیدے جو اُس کی لیاقت سے کہیں زیادہ ہے تو بتلائیے وہ کیا کہے۔ کیا وہ اپنے کو موتی والا نہ کہے۔ نہیں موتی والا ضرور کہے مگر ساتھ میں یہ بھی کہے کہ بادشاہ کی بڑی عنایت ہے کہ ایک چمار کو اتنی بڑی چیز دیدی۔ اسیطرح آپ نماز پڑھکر اپنے کو نمازی سمجھیں۔ مگر ساتھ میں یہ بھی سمجھیں کہ ہم تو اصل میں نالایق تھے اس نعمت کے قابل نہ تھے یہ خدا کی عطا ہے کہ ہم جیسے نالایقوں کو اپنے دربار میں آنے کی اجازت دے دی دیکھئے اب شکر اور تواضع دونوں جمع ہو گئے۔ اس طریق میں نہ عطائے حق کی ناشکری ہوئی نہ تکبر ہوا نماز کو نماز بھی سمجھا اور اپنے کو نالائق بھی سمجھا اور نماز کو محض عطائے حق سمجھا اس صورت میں آپ نماز پڑھکر بے نمازیوں کو حقیر نہیں سمجھ سکیں گے۔ ہاں اُن کے حال پر رحم کریں گے۔ بلکہ اگر ضرورت ہو تو بے نمازوں کو دھمکاؤ بھی اور جن پر زور ہو اُن کو مارو بھی۔ مگر اس سزا کی شان یہ ہو کہ جیسے بادشاہ بھنگی کو حکم دے کہ کسی جرم میں شاہزادے کے سو تازیانے مارے تو وہ

حکم شاہی کی وجہ سے مارے گا تو سہی مگر دل میں تھوڑا ہوتا جاوے گا اور اُسے کبھی بھی
شاہزادے سے افضل ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا۔ محض مجبور ہو کر حکم کی تعمیل کرے گا بس
یہی حال ہمارا ہونا چاہئے کہ شریعت کے حکم سے اپنے نوکروں چاکروں کی اصلاح کریں۔ اہل و
عیال پر حکومت کریں۔ بے نمازیوں کو ماریں دھمکاویں۔ مگر اُن کو اپنے سے افضل سمجھیں۔ اگر
بڑا افضل نہ سمجھو تو کم از کم احتمالاً ہی سمجھو کہ شاید خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی خاص صفت یا
فضل کے سبب یہ ہم سے فی الحال افضل ہو۔ یا فی المآل اس کو ہم سے افضل بنادیں۔
کیونکہ آپ کو محض خدا تعالیٰ کی توفیق سے نماز وغیرہ کی ہمت ہوئی ہے اور وہ توفیق کو سلب
بھی کر سکتے ہیں وہ پکے نمازی کو بھی بے نمازی بنا سکتے ہیں۔ اور ہماری اور آپ کی تو حقیقت
ہی کیا ہے۔ حق تعالیٰ تو اپنے حبیب کو یہ فرماتے ہیں ولئن شئنا لنذھبن بالذی
اوحینا الیک ثم لا تجد لک بہ علینا وکیلا ٭ (ترجمہ) اور اگر ہم چاہیں تو اُس وحی کو بالکل
سلب کرلیں جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے۔ پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو کارساز نہ پائیں۔
آہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا خطاب دلیل ہے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی۔ خدا تعالیٰ
کے سوا کسی کی ہمت نہیں کہ حضور کو ایسا خطاب کرسکے نہ حضور ایسا مضمون خود بنا سکتے تھے
جس سے آپ کے کمالات کے زوال کا امکان ظاہر ہو۔ پھر چونکہ اس سے حضور کے کانپ
اُٹھنے کا موقعہ تھا اس لئے آگے تسلی فرماتے ہیں الا رحمۃ من ربک یعنی صرف رحمت
کارسازی کر سکتی ہے۔ پھر چونکہ رحمت مشیت کے تابع ہے اور مشیت ہر مقدور کے ساتھ متعلق
ہو سکتی ہے تو یہ کیسے معلوم ہو کہ یہاں مشیت کا تعلق بصورت رحمت ہی ہو گا۔ اس لئے آگے
تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں۔ ان فضلہ کان علیک کبیرا ٭ بیشک خدا تعالیٰ کا فضل آپ
کے حال پر بہت بڑا ہے۔ اب پوری تسلی ہو گئی کہ گو حق تعالیٰ کو سلب وحی پر پوری قدرت
ہے مگر بوجہ کمال فضل کے سلب کا وقوع کبھی نہ ہو گا۔ پس وہ ممتنع بالذات نہیں تو ممتنع بالغیر
ضرور ہے اور فضل و رحمت کے ساتھ سلب پر قدرت ہونا یہی علامت ہے غایت رحمت و فضل
کی کہ ایک بات پر قدرت ہے مگر فضل و انعام کی وجہ سے قدرت کو ظاہر نہیں کرتے اور اگر سلب
پر قدرت نہ ہوتی تو اضطرار ہوتا اور اضطرار کی صورت میں وحی کا سلب نہ ہونا دلیل رحمت و فضل

ہوتی۔ غرض ایک دفعہ کو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب سے بھی فرما دیا کہ ہم ایسے قادر ہیں کہ آپ جیسے کامل و اکمل کے کمالات بھی سلب کر سکتے ہیں گو کریں گے کبھی نہیں۔ جب حضور کے لئے یہ ارشاد ہے پھر ہم تو کیا چیز ہیں جو دعوے کر سکیں۔ ہماری نماز کیا اور ہمارا علم کیا۔ اگر حق تعالیٰ چاہیں تو دم بھر میں سب سلب کر لیں۔ مولانا محمد رشید صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کو فالج پڑا تھا تو سورہ فاتحہ تک بھول گئے تھے۔ حالانکہ وہ بہت بڑے عالم و فقیہ تھے مگر فالج میں یہ حالت ہوئی کہ علم تو الگ رہا سورہ فاتحہ بھی بھول گئے تھے۔ جو مسلمانوں کے بچوں کو بھی یاد ہوتی ہے۔ جب فالج سے افاقہ ہونے کے بعد ہفتہ بھر میں اُن کو الحمد یاد ہوئی تو کثیر مقدار میں شیرینی تقسیم ہوئی تھی۔ جیسے بچوں کی بسم اللہ کے موقعہ پر مٹھائی بانٹا کرتے ہیں۔ واقعی عبرت کا موقعہ ہے۔ ایک بار مجھے خود یہ واقعہ پیش آیا کہ عشا کے بعد ذرا سی دیر مدرسہ میں لیٹ کر جو میں گھر جانے لگا تو گھر کا راستہ بھول گیا حالانکہ گھر مدرسہ سے کچھ بھی دور نہیں نہ راستہ پیچدار۔ سیدھا راستہ برسوں سے پیروں کو لگا ہوا۔ مگر اُس وقت بالکل بھول گیا۔ اور دوسروں کے گھر پر جا پہنچا۔ جب وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہ فلاں شخص کا گھر ہے۔ تو پھر بہت ہی مشکل سے سوچ سوچ کر اپنے گھر پہنچا۔

پس سمجھ لیجئے کہ ہمارا علم کیا ہے کچھ نہیں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور موٹی بات ہے کہ رات کو سوتے ہوئے روزانہ ہمارے سب علوم سلب ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ حق تعالیٰ کا فضل ہی تو ہے کہ صبح کو سب خزانہ واپس مل جاتا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ جیسے سوتے ہوئے علم سے معرّا ہو گئے تھے ویسے ہی صبح کو کورے کے کورے اٹھیں۔ اس لئے ہم کو دعوے ہرگز نہ کرنا چاہئے دیکھئے حضرت بایزید رح کے منہ سے توحید کا دعوے نکل گیا تھا اسی وقت مؤاخذہ ہوا اور حقیقت کھل گئی جب دعوے کے بعد ایسے کاملین کی توحید بھی ناقص ثابت ہوئی تو ہمارا تو کیا منہ ہے جو دعوے کریں۔ ہماری توحید ہی کیا ہے۔ بس ہماری توحید تو اتنی ہے کہ دل سے اعتقاد اور زبان سے کلمہ خدا تعالیٰ کو واحد کہتے ہیں۔ مگر اُس کی حقیقت منکشف نہیں وہ حقیقت یہ ہے ؎ مغرور سخن مشو کہ توحید خدا ۔ واحد دیدن بود نہ واحد گفتن ۔ یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی فاعل کا مشاہدہ ہی نہ کرے۔ مگر اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے

کہ توحید کا یہ مراقبہ عارفین کے ساتھ مخصوص ہے عام لوگ اس کے مکلف نہیں ہیں کہ کسی سبب کی طرف بھی سبب کو منسوب نہ کریں۔ اُن کو اس کی اجازت ہے بس وہ تو اس کے مکلف ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ اس کے بعد اگر وہ تاثیر مجازی کے درجہ میں کسی سبب کی طرف اثر کو مضاف کردیں تو اُن سے مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ کاملین سے اس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے وہ اس کے بھی مکلف ہیں کہ تاثیر مجازی کے درجہ میں بھی کسی چیز کی طرف اسناد نہ کریں۔ اور عوام کو اس کا مکلف اس لئے نہیں کیا گیا کہ اگر وہ جملہ حوادث کی نسبت بلاواسطہ حق تعالیٰ کی طرف کرنے لگیں۔ نافع کاموں کی بھی اور مضر کاموں کی بھی تو چونکہ ان کے قلوب میں حق تعالیٰ کی محبت وعظمت اس قدر ہے نہیں۔ اس لئے اندیشہ ہے کہ نعوذ باللہ اُن کے قلب میں حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری پیدا نہ ہو جائے اور عارفین کو بوجہ غلبہ محبت کے یہ ضرر نہیں ہوتا یہاں سے اسباب کی حکمت معلوم ہو گئی کہ حق تعالیٰ نے اُن کو بیچ میں واسطہ اس لئے بنا دیا ہے تاکہ عوام کو ضرر یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری نہ ہو۔ اب یہاں میں آپ کو ایک بات بتلاتا ہوں جس سے حضرت حاجی صاحب کا امام فن ہونا معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ حضرت نے ضیاء القلوب میں مراقبہ توحید کو نقل کر کے تحریر فرمایا ہے۔ لیکن محققان حال ازیں مراقبہ منع فرمودہ اند۔ میں عرصہ تک اس تشویش و پیچ میں رہا کہ محققین نے اس مراقبہ سے کیوں منع کیا اس میں کیا مفسدہ تھا۔ بہت دنوں کے بعد حقیقت واضح ہوئی اُس وقت حضرت کے اس جملہ کی قدر ہوئی۔ ضیاء القلوب عجیب متن ہے۔ جب یہ کتاب لکھی گئی تو مولانا محمد قاسم صاحب رح نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا تھا کہ حضرت اس کی تو بہت بڑی شرح ہو سکتی ہے۔ حضرت نے بہت سادہ لہجہ سے فرمایا کہ بھائی میں نے متن لکھ دیا ہے تم شرح کردو۔ بہر حال حضرت نے مراقبہ توحید سے ممانعت فرمائی ہے اور میں نے حضرت کے سوا کسی محقق کے کلام میں اس کی ممانعت نہیں دیکھی۔ اب یا تو حضرت نے کسی کے کلام میں یہ بات دیکھی ہو یا کسی سے زبانی سُنی ہو یا خود حضرت ہی کی رائے ہو جیسے الہام کے ساتھ تحریر فرما دیا اور یہی ظاہر ہے اس میں راز وہی ہے جو مجملاً اوپر عرض کیا ہے۔ یعنی اس زمانہ میں قلوب میں محبت الٰہی کم ہے اس

حالت قلت محبت میں اگر توحید مذکور کا استحضار ہوا تو تمام افعال کو حق تعالیٰ کا فعل سمجھے گا۔ اولاد مرگئی یا کوئی مالی نقصان ہوگیا تو اس شخص کو حق تعالیٰ کا فعل بلا واسطہ منکشف ہوگا۔ اور محبت ہے کم تو خدا تعالیٰ سے نعوذ باللہ عداوت و بغض ہو جاوے گا اس لئے آج کل اس توحید کا انکشاف عام طور پر نافع نہیں ہوتا اور اگر محبت کامل ہو تو پھر کچھ ضرر نہیں ہوتا محب کا تو حال ہوگا اور قال یہ ہے ؎ زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ؎ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو۔ اور وہ تو یوں کہے گا ؎ نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ؛ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کل ہم لوگوں نے دین میں انتخاب کر لیا ہے۔ کسی نے صرف نماز کو لے لیا۔ کسی نے صرف روزہ کو۔ کسی نے عبادات میں واجبات و فرائض کا اہتمام کیا تو اخلاق کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اعمال بلا اخلاق کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھکر عجب اور تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ دعوے اور تفاخر کرنے لگتے ہیں۔ دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس حالت کی اصلاح کیطرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں نے دین کو نماز روزہ پر منحصر سمجھ لیا ہے۔ اخلاق و معاملات کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ چنانچہ اخلاق کی کیفیت تو اوپر معلوم ہو چکی۔ معاملات کی حالت یہ ہے کہ مسلمان معاملات عدالت کو وکلاء سے تو پوچھتے ہیں علماء سے کبھی نہیں پوچھتے کہ ہم یہ معاملہ کس طرح کریں یہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کو معاملات سے کیا مطلب۔ چنانچہ بعض بد نصیب اس بات کو زبان سے بھی کہدیتے ہیں۔ جو کہ ایک سخت کفریہ کلمہ ہے۔ ایک شخص کی لڑکی بیوہ ہوگئی تھی۔ لوگ اس کو عقد ثانی کی ترغیب دے رہے تھے کہ بیوہ کے نکاح کی شریعت میں بہت فضیلت ہے۔ تم اپنی لڑکی کا دوسرا عقد کر دو۔ تو وہ کمبخت کہتا ہے (نقل کفر کفر نباشد) کہ صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روزہ نماز کے نبی ہیں شادی بیاہ کے نبی نہیں۔ اس میں ہم اپنی رائے سے جو چاہیں گے کریں گے (نعوذ باللہ واستغفر اللہ) ایک عورت کمبخت نے اسی باب میں جب کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صاحبزادیوں کے عقد ثانی کا ذکر کیا گیا تو اس نے سن کر یہ کہا کہ (نعوذ باللہ) وہ لڑکیاں جن کا حضور نے عقد ثانی کیا ہے۔ شریف بیوی کے پیٹ سے

ہوتیں (نعوذ باللہ) دیکھو حضرت فاطمہؓ کا نہیں ہوا۔ کمبخت نے حضور کی بیٹیوں کو کم ذات قرار دیا بھلا کوئی اس احمق سے یہ پوچھے کہ تو نے جو حضرت فاطمہ رضؓ کی مثال دی تو ان کو عقد ثانی کی ضرورت ہی کہاں اور کب ہوئی تھی۔ وہ تو حضرت علی رضؓ کے سامنے ہی انتقال فرما گئیں تھیں۔ پھر اس احمق کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ حضور کی سب بیٹیاں ایک ہی بیوی سے تھیں دوسری بیبیوں سے آپ کے اولاد ہوئی ہی نہیں اور ہوتی بھی تو وہ سب بھی حضرت فاطمہ زہرا جیسی شریف زادیاں ہوتیں۔ کیونکہ آپ کی سب بیبیاں عالی خاندان اور اشرف نسب کی تھیں۔ غرض معاملات میں اکثر لوگ اپنے کو خود مختار سمجھتے ہیں۔ اور شریعت میں ان کو داخل ہی نہیں سمجھتے۔

اس انتخاب کی وجہ سے ہماری وہ حالت ہو رہی ہے کہ کسی کے ہاتھ ہی تو پیر نہیں۔ پیر ہے تو ہاتھ نہیں۔ سر ہے تو دھڑ نہیں۔ دھڑ ہے تو سر نہیں۔ مجموعہ مل کر تو ایک ایک فرد سالم نکل سکتا ہے مگر فرداً فرداً تو ہم سب ناقص ہی ہیں۔ اور بقاعدۂ منطق دیکھا جاوے تو مجموعہ بھی ناقص ہی ہے۔ کیونکہ ناقصین کا مجموعہ بھی منطقی قاعدہ سے ناقص ہی ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ ہم لوگ اس نقص ہی پر کفایت کئے ہوئے ہیں۔ مجموعہ کے کامل ہونے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ آج کل ایک نئی تفسیر چھپی ہے۔ جس کی تمہید میں لکھا ہے کہ اس تفسیر کی تصنیف میں بہت سے علماء جمع تھے گو سب کامل نہ تھے۔ ہر فرد ناقص تھا۔ مگر مجموعہ مل کر تو ضرور ایک کامل ہو گیا تھا۔ سو وہ ایسا مجموعہ تھا جیسے ایک منشی نے دریا کے کنارے پہنچکر گاڑی بان سے کہا تھا کہ پانی کو کنارے اور درمیان سے دیکھ کر بتلاؤ اس نے بتلایا تو آپ نے سب کا اوسط نکال لیا اوسط کے حساب سے ہر حصہ میں پانی کمر تک نکلا۔ آپ نے حکم دیا کہ گاڑی ڈال دو کیونکہ اوسط نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ڈوبیں گے نہیں۔ اس نے گاڑی ڈال دی جب بیچ میں پہنچے تو لگے ڈوبنے۔ منشی نے فوراً حساب کو پھر دیکھا تو اوسط حساب کا برابر تھا تو آپ فرماتے ہیں کہ لیکھا جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں۔ یہ برکت مجموعہ کے اعتبار کرنے کی ہوئی۔ اسی طرح اس مفسر نے چند ناقصوں کو ملا کر ایک مجموعہ بنایا کہ ایک تو کامل ہو گیا جی ہاں وہ ایسا کامل ہوا ہے کہ سب کو لے کر ڈوبے گا۔

صاحبو! کیا ایک محلہ کے بہت سے آدمی مل کر اپنے مکانوں کی ایسی تکمیل پر کفایت کر سکتے ہیں کہ فرداً فرداً تو ہر ایک کا مکان ناقص ہو اور مجموعہ ملا کر سب حاجات مجتمع ہوں کہ ایک گھر میں باورچی خانہ نہو پاخانہ ہو ایک کے گھر میں پاخانہ نہو باورچی خانہ ہو۔ ایک کے یہاں دالان نہو سہ دری ہو۔ دوسرے کے یہاں سہ دری نہو دالان ہو۔ ایک کے مکان میں اوپر بھی کمرہ ہو دوسرے کے یہاں نہو کسی کے یہاں بیٹھک ہو کسی کے یہاں نہو اور سب یہ کہہ کر خوش ہو رہے ہیں کہ بلا سے الگ الگ گو ہر اک کا گھر ناقص ہے مگر تکمیل افراد کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ مجموعہ تو کامل ہے۔ بھلا ایسے کمال مجموعی سے نفع کیا اگر کسی کو رات کے بارہ بجے پاخانہ لگا تو وہ اس کمال سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے کیا آدھی رات دوسرے کے گھر ہگنے جائیگا اور جس کے یہاں باورچی خانہ نہیں کیا وہ روزانہ دوسرے کے چولھے پر کھانا پکایا کرے گا۔ صاحب ذرا غور کر کے دیکھ لیجئے چار دن میں حقیقت نظر آجائے گی دنیا کے معاملات میں سب جانتے ہیں کہ کمال مجموعی محض فضول ہے بلکہ کمال شخصی کی ضرورت ہے۔ اسی لئے ہر شخص فرداً فرداً اپنے مکان کی تکمیل میں کوشش کرتا ہے اور دوسرے شخص کے مکان کے بھروسہ پر کبھی اپنے گھر کو ناقص نہیں رکھ سکتا مگر دین کے بارے میں عقل مسخ ہو جاتی ہے۔ اور سنیئے اگر چند مریض اکٹھے ہو کر باہم یہ کہیں کہ میاں بعض اعضاء تمہارے درست ہیں۔ اور بعض اعضاء میرے اور بعض فلاں کے۔ بس مجموعہ کامل ہے پھر حکیم صاحب کے پاس جانے اور علاج کرانے کی کیا ضرورت ہے۔ بتلایئے کیا اس طرح وہ تندرست ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ انشاء اللہ سبھی مریں گے۔ اسی طرح دین میں بھی اس سے کام نہیں چل سکتا کہ ایک نے نماز پڑھ لی ایک نے روزہ رکھ لیا۔ ایک نے زکوٰۃ دے لی۔ ایک نے حج کر لیا۔ بلکہ ہر ہر شخص کو اپنی ہر ہر حالت کی تکمیل پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے جس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول علم کی پھر عمل کی کیونکہ عمل بدون علم کے نہیں ہو سکتا کوئی کام بھی ہو پہلے اُس کا طریقہ جاننا ضروری ہے۔ پھر اگر علم کامل ہے تو عمل بھی کامل ہو گا۔ اور علم ناقص ہے تو عمل بھی ناقص ہو گا۔ دُنیا کے کاموں ہی کو دیکھ لیجئے کہ جو شخص جس کام کو خوب جانتا ہے وہ اُس کو عمدگی سے کرتا ہے۔ اور جو پوری طرح نہیں جانتا وہ بہت غلطیاں کرتا بلکہ بعض دفعہ

کام کو خراب کر دیتا ہے۔ ایک شخص اصول تجارت سے واقف ہے وہ تجارت اچھی طرح سے کرے گا۔ تھوڑے سرمایہ سے بہت کچھ نفع کما لے گا اور ایک شخص اصول تجارت سے ناواقف ہے اُس کو نفع تو کیا ہوتا۔ بعض دفعہ اصل سرمایہ بھی ڈبو دیتا ہے۔ اسیطرح ایک شخص زراعت کا طریقہ جانتا ہے وہ تھوڑی سی محنت سے بہت فائدہ حاصل کر لیتا ہے اور جو اس کام کو نہیں جانتا وہ بیج کو بھی ضائع کر دیتا ہے میں کہاں تک مثالیں دوں۔ خود سوچتے چلے جاؤ۔ بس یہی حال دین کا ہے۔ اے اللہ آخر اس کی وجہ کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ دنیا کے کاموں کا قاعدہ تو سب جانتے ہیں اور اُس میں سب کا یہی مشورہ ہوتا ہے کہ بھائی پہلے اس کام کو سیکھ لو پھر کرنا مگر دین کے بارے میں علم کی ضرورت کوئی نہیں سمجھتا۔ پس جو لوگ دین پر عمل ہی نہیں کرتے وہ بھی سُن لیں اور جو عمل کر رہے ہیں وہ بھی سُن لیں کہ علم کی ضرورت سب کو ہے کیونکہ جو لوگ دین پر عمل کر رہے ہیں۔ اگر وہ علم سے کورے ہیں تو اُن کا عمل ضرور ناقص ہوگا اُن کو تکمیل عمل کے لئے علم کی ضرورت ہے اور جو عمل نہیں کرتے اُن کو عمل کی بھی ضرورت اور چونکہ وہ موقوف ہے علم پر اس لئے پھر علم کی ضرورت۔ غرض علم کی ضرورت سب کے لئے ہوئی۔ رہا عمل تو خود علم کی غایت وہی ہے تو اُس کی ضرورت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ پہلے ہی دن فاضل بھی بن جاویں اور کامل بھی بن جاویں۔ بلکہ ایک ایک دو دو بات سیکھ کر اُس کے موافق عمل شروع کر دیں۔ پھر علم و عمل دونوں کی تکمیل میں لگے رہیں۔ انشاء اللہ ایک دن دونوں میں کمال حاصل ہو جائے گا۔

افسوس تو اس کا ہے کہ ہم لوگوں نے نقصان پر قناعت کر رکھی ہے۔ تکمیل کا اہتمام ہی نہیں۔ اس آیت میں جو میں نے تلاوت کی ہے۔ ان ہی دونوں چیزوں کا ذکر ہے۔ علم کا اور عمل کا اس میں حق تعالیٰ نے ہدیٰ و مغفرت کی ترغیب دی ہے (ہدیٰ سے مراد علم اور مغفرت سے مراد عمل طاعت ہے ۱۲) اور جہل و بدعملی پر وعید بیان فرمائی ہے۔ شاید اس پر طلباء یہ شبہ کریں کہ یہ آیت تو اہل کتاب کے متعلق ہے۔ تمہاری تقریر میں مسلمانوں کو اس کا مخاطب کیوں بنایا گیا۔ سو خوب سمجھ لو کہ حکم عموم الفاظ پر ہوتا ہے نہ خصوص مورد پر۔ یہی قاعدہ ہے جس کو فقہاء نے اصول میں مصرح فرما دیا ہے۔ دوسرے میں پوچھتا ہوں کہ

قابل ملامت اہل کتاب کی ذات میں حیث ہی ذات تھی یا اُن کے اعمال قابل ملامت تھے ظاہر ہے کہ ذات پر ملامت نہ تھی بلکہ اُن کے اعمال ہی قابل ملامت ہیں۔ پس یہ اعمال جس جگہ بھی پائے جایئں گے قابل ملامت ہوں گے اس لئے مسلمانوں کو اس کا مخاطب کرنا اگر اُن میں بھی ان اعمال کا وجود ہو صحیح بلکہ اگر یہ مخاطب نہ ہوں لیکن اُن میں یہ اعمال پائے جاتے ہوں جن پر اہل کتاب کو ملامت ہورہی ہے تو اس صورت میں مسلمانوں کو اور زیادہ عبرت کرنا چاہیئے کہ اُن میں وہ اعمال پائے جاتے ہیں جو اہل کتاب کے مدار مذمت ہیں۔ اور اس عبرت کا مقتضا ہے کہ بہت جلد جہل اور بدعملی کی اصلاح کریں۔ اور علم و عمل کا اہتمام شروع کردیں بحمداللہ آج کل علم کا سامان بہت کچھ میسّر ہے جابجا دینی مدارس موجود ہیں سب مسلمانوں کو اُن سے فائدہ اٹھانا چاہیئے میں یہ نہیں کہتا کہ سب عربی پڑھکر عالم ہی بنیں بلکہ جن کو عربی پڑھنے کی فرصت نہو وہ اردو رسایل ہی سے دینی مسائل کا علم حاصل کریں۔ آج کل خدا کا شکر ہے کہ اردو میں بھی مسائل کا ذخیرہ کافی مقدار میں موجود ہے لیکن اُن کا خود مطالعہ کرنا کافی نہیں۔ بلکہ سبقاً سبقاً کسی عالم سے سمجھکر پڑھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اردو میں مسائل کا ترجمہ ہوجانے سے صرف زبان سہل ہوجاتی ہے۔ مضامین سہل نہیں ہوجاتے۔ چنانچہ اردو میں اقلیدس اور طب کی کتابیں بھی ترجمہ ہوگئی ہیں تو کیا اُن کے مطالعہ سے کوئی شخص ریاضی داں یا طبیب ہوسکتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ اُستاد سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ پھر قرآن یا فقہ کا اردو ترجمہ آپ کو اُستاد سے کیونکر مستغنی کرسکتا ہے۔ میں تجربہ کی بناء پر سچ کہتا ہوں کہ محض ترجمہ کے مطالعہ سے آپ قرآن یا فقہ کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ یقیناً بہت جگہ ٹھوکریں کھایئں گے۔ اور مطلب کچھ کا کچھ سمجھ جایئں گے۔ اس لئے عربی میں نہ پڑھو تو اردو ہی میں پڑھو۔ لیکن کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھو اپنے مطالعہ کو کافی نہ سمجھو۔ مجھے پہلے بھی معلوم ہوا تھا۔ اور اب مدرسہ کی رپورٹ دیکھ کر بھی معلوم ہوا کہ اس مدرسہ کا زیادہ تر مقصود یہ ہے کہ دیہات کے جو لوگ پوری تعلیم حاصل نہیں کرسکتے اُن کو ضروریات دین یعنی قرآن اور نماز روزہ وغیرہ کے ضروری مسائل کی تعلیم دی جائے۔ سو یہ موقعہ بہت اچھا ہے اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور یہ خوب سمجھ لو کہ پورا

عالم بننا تو فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں۔ لیکن بقدر ضرورت دین کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔ اس لیے اگر فرض کفایہ کی ہمت نہ ہو تو فرض عین کی مقدار تو ضرور حاصل کر لینی چاہیے۔ آج کل لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ بس یا تو پورا عالم ہو ورنہ جاہل ہی رہے یہ بڑی غلطی ہے۔ جن لوگوں کو عالم بننے کے لیے فراغت نہ ہو وہ بیچ ہی کے رستہ پر رہیں کہ نہ عالم ہوں نہ جاہل۔ بلکہ ضروریات دین کو حاصل کر کے اپنے دنیوی کاروبار میں لگیں اور اس کے لیے ایک سال کی ضرورت ہے زیادہ نہیں ایک سال میں قرآن کا ایک دو سپارہ پڑھ کر اردو میں مسائل کا علم بقدر ضرورت حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اتنی فرصت تو دیہات والوں کو بھی مل سکتی ہے اور اپنی اولاد کے لیے تو ضرور ہی مل سکتی ہے اس لیے کم از کم ایک سال تو اپنے بچوں کو دینی علم کی ضرور تعلیم دینی چاہیے۔ اور یہ مدت میں نے اُن لوگوں کے لیے بیان کی ہے جو پورا قرآن پڑھانے کے لیے فراغت نہیں پاتے ورنہ ایک درجے میں پورے قرآن کی بھی ضرورت ہے بلکہ حفظ کی بھی ضرورت ہے۔ اگر سب کے سب دو تین ہی سپارے پڑھا کریں تو پھر قرآن کی حفاظت کیونکر ہوگی اور سب ناظرہ ہی پڑھنے لگیں حفظ نہ کریں تو قرآن مسلمانوں کے پاس کیونکر رہے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اگر کوئی دشمن قرآن کے سب نسخے مسلمانوں سے چھین کر ضائع کر دے تو مسلمان قرآن سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور اب کسی کی مجال نہیں کہ مسلمانوں سے قرآن چھین سکے۔ اگر مصاحف کو بھی کوئی ضائع کر دیگا تو مسلمانوں کے ہزاروں بچے اور لاکھوں جوان اور بوڑھے حافظ موجود ہیں وہ اپنی یاد سے قرآن کو پھر لکھ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ خصوصیت جملہ اہل ادیان کے مقابلہ میں حفظ ہی کی برکت سے تو ہے۔

پس جن کو خدا تعالیٰ نے فراغت دی ہے وہ اپنے بچوں کو پورا قرآن پڑھائیں اور جس کے دو چار لڑکے ہوں وہ ان میں سے ایک کو حافظ بھی ضرور بنائے۔ حفظ قرآن کی بڑی فضیلت ہے۔ قیامت میں حافظ کی شفاعت سے ایک بڑی جماعت کی بخشش ہوگی۔ اور اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سے آفتاب بھی ماند ہو جائے گا۔ اس سے اندازہ کر لو کہ خود حافظ کی کیا کچھ قدر و منزلت ہوگی۔ جب اُس کے والدین کی یہ عزت ہوگی۔

اس لئے اس دولت کو بھی ضرور حاصل کرنا چاہیے مگر جن کو فراغت نہ ہو وہ سارا نہ پڑھیں مگر کچھ تو ضرور پڑھ لیں کتنے شرم کی بات ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کی کتاب سے بالکل ہی ناآشنا ہوں افسوس آج کل تعلیمیافتہ طبقہ قرآن پڑھانے کو بالکل بیکار اور فضول سمجھتا ہے چنانچہ رامپور میں ایک صاحب جنٹلمین نے اپنے دوست سے کہا کہ آپ بھی اپنے بچہ کو انگریزی اسکول میں بھیجیں اونہوں نے کہا کہ نصف قرآن اُس کا رہا ہے وہ ہو جاوے تو بھیجوں اونہوں نے پوچھا نصف قرآن کتنے روز میں ہوا ہے وہ بولے دو سال میں تو آپ کیا کہتے ہیں کہ تم نے اپنے بچے کے دو سال تو ضائع کئے دو سال اور کیوں ضائع کرتے ہو۔ اس مدت میں یہ ایک دو درجہ تو تعلیم کا طے کرتا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس ظالم کو یہ خبر نہیں کہ اس قرآن پڑھنے والے لڑکے نے اس دو سال میں نہ معلوم جنت کے کتنے درجے طے کر لئے ہیں۔ کیونکہ قیامت میں قرآن پڑھنے والے کو حکم ہوگا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور چڑھتے چلے جاؤ۔ جہاں تمہارا قرآن رک جائے وہیں تم رک جاؤ بس وہی تمہارا درجہ ہے۔ مگر تعلیمیافتہ لوگوں کو تو اسکول کے درجوں کی ضرورت ہے۔ جنت کے درجوں کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے قرآن پڑھانیکو بیکار سمجھتے ہیں۔ مگر ذرا ٹھہریں ابھی چند دن میں مرنے کے بعد بلکہ مرتے وقت ہی معلوم ہو جائے گا کہ سکول کے درجوں کی زیادہ ضرورت تھی یا جنت کے درجوں کی۔

گوالیار کی حکایت سنی ہے کہ ایک صاحب نے اپنے لڑکے کو بچپن ہی سے انگریزی میں ڈال دیا تھا۔ اور اس کی تعلیم پر بہت روپے خرچ کئے تھے۔ لندن بھی پاس کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہاں سے آکر وہ بیمار رہا۔ اور مرنے لگا تو ابا جان اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگے کہ ہائے بیٹا میں نے تو تیری تعلیم پر بیس پچیس ہزار روپے خرچ کئے تھے۔ میں نے اپنی محنت کا پھل بھی نہ دیکھا۔ لڑکے نے آنکھیں کھول دیں اور کہا ابا جان اب کیا روتے ہو جب مجکو آخرت میں جہنم میں جاتا ہوا دیکھو گے اس وقت روؤ گے کیونکہ آپ نے یہ بیس پچیس ہزار روپے خرچ کر کے مجھے جہنم میں پھینکنے کا انتظام کیا ہے۔ تم نے اس رقم سے میرے واسطے دوزخ خریدی ہے کیونکہ تم نے مجھے دین کی تعلیم سے بالکل کورا رکھا۔ اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ میرا سارا لکھا پڑھا بیکار رہے۔ موت کے فرشتے آسمان والے ہیں۔ تم نے اتنی بڑی رقم میرے

اوپر خرچ کرکے میرے ساتھ دوستی نہیں کی بلکہ سراسر دشمنی کی ہے۔

صاحبو! اس لڑکے نے تو اپنی حسرت کو ظاہر کردیا اور اُمید ہے خدا کے فضل سے کہ انشاء اللہ وہ اس حسرت کی بنا پر بخشدیا گیا ہوگا۔ مگر جو لوگ حسرت بھی ظاہر نہیں کرسکتے۔ وہ بھی مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد اس پر ضرور نادم ہوں گے کہ افسوس ہم نے ساری عمر اسکولوں کے درجے اور ڈگریاں حاصل کرنے میں گنوادی اور جنت کی ایک ڈگری بھی حاصل نہ کی ؎ فسوف تری اذا انکشف الغبار :: افرس تحت رجلک ام حمار

ابھی ہوائے نفسانی کا غبار چڑھا ہوا ہے اس لئے آپ جتنا چاہیں دعوی کرلیں کہ ہم ترقی یافتہ ہیں ہم گھوڑے پر سوار ہیں۔ ذرا اس غبار کو اُترنے دو ابھی معلوم ہوجائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا لنگڑے گدھے پر۔ میں کہتا ہوں کہ جنٹلمینوں کو اگر جنت کی طلب کے لئے تعلیم قرآن کی ضرورت نہیں تو کم از کم قومی حمیت کے ہی لحاظ سے اس کو ضروری سمجھا ہوتا۔ یہ لوگ قومی حمیت کا تو بڑے زور سے دعوے کرتے ہیں اور رات دن اسی کا سبق رٹتے ہیں وہ ذرا تبلائیں تو کہ قومیت اسلامی کی بنیاد کیا ہے یقیناً اگر مسلمان ہیں تو یہی کہیں گے کہ قومیت اسلامی کی بنیاد قرآن ہی ہے پھر حیرت ہے کہ جس چیز کے وہ حامی ہیں اُسی کی جڑیں اُکھاڑتے ہیں۔ صاحب اگر تعلیم قرآن بیکار ہے تو وہ قومی حمیت ہی کیا کار آمد ہے۔ جس کا آپ دعوے کرتے رہتے ہیں۔ بس وہ حال ہے اُن لوگوں کا ؎ یکے بر سر شاخ و بن مے برید۔ میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ اگر آپ کی اس بے اعتنائی سے قرآن کا وجود دُنیا سے ناپید ہوگیا تو ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کا نام بھی مٹ جائے گا۔ اب تک جو اسلام کا نام دُنیا میں روشن ہے وہ اس مُبارک کتاب ہی کی بدولت ہے اور جس فرقہ کو آپ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بیکار سمجھتے ہیں واللہ وہی اسلامی قومیت کا محافظ ہے۔ تم ہوگس ہوا ہیں خدا کی قسم اگر یہ قرآن کے پڑھنے پڑھانے والے نہ رہے تو مسلمان دنیا کے طبقہ میں کہیں بھی نہ رہیں گے۔ ساری قومی حمیت ناک کے رستہ نکل جائے گی۔ بلکہ میں ترقی کرکے کہتا ہوں کہ یہ فرقہ جو تمہارے نزدیک بیکار ہے صرف قومیت اسلام ہی کا محافظ نہیں بلکہ وجود عالم کا محافظ ہے۔ اگر یہ جماعت دُنیا میں نہ رہے تو دُنیا ہی نہ رہے گی۔

بلکہ سارا عالم برباد ہو کر قیامت آجائے گی اور یہ میں اپنے گھر سے نہیں کہتا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تقوم الساعۃ حتی یبقی فی الارض واحد یقول اللہ اللہ۔ دخوہ۔ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہنے والا ایک شخص بھی موجود رہے اور ظاہر ہے کہ اللہ اللہ کرنے والے یہی لوگ ہیں جن کو آپ بیکار سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے طبقوں میں بھی اگر کوئی خدا کا نام لینے والا ہے تو وہ بھی ان ہی کی برکت سے ان ہی کے تعلق سے ہے۔ اب تو ان جنٹلمین صاحب کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمان کا بچہ دو سال قرآن پڑھکر دنیا و آخرت کے کتنے درجے طے کرتا ہے اسکول کا ایک درجہ طے کرکے تو وہ خاک بھی حاصل نہیں کرتا۔ اور قرآن کی ایک سورت بلکہ ایک آیت پڑھکر وہ اسلامی قومیت کا محافظ بلکہ تمام عالم کا محافظ بن جاتا ہے یہ تو دنیا کا نفع ہے اور آخرت کا نفع تو سب جانتے ہیں۔

پھر میں کہتا ہوں کہ آج کل جس علم کی وجہ سے لوگ تعلیم قرآن سے غفلت کر رہے ہیں۔ زمانہ نے اس وقت اس کی قلعی کھول دی ہے۔ پہلے انگریزی تعلیم کی جس درجہ قدر تھی اب اس کی حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔ خدا اس محکمہ تخفیف کا بھلا کرے۔ اس نے دکھلا دیا کہ بہت سے انگریزی پڑھنے والے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ گو اس سے رنج بھی ہوتا ہے کہ ملازمت چھوٹنے سے بعض مسلمانوں کو تکلیف ہوئی۔ اور ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مگر اس کی خوشی ہے کہ جس چیز کے نشہ میں وہ دین سے غافل ہو رہے تھے۔ اس محکمہ نے وہ نشہ ان کے دماغوں سے اتار دیا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ انگریزی تعلیم سے دین تو حاصل ہوا ہی نہ تھا دنیا بھی سب کو حاصل نہیں ہوتی۔ ایک صاحب نے خوب کہا کہ علم دنیا تو جب تک مکمل نہ ہو کسی مصرف کا نہیں۔ اور علم دین کا جو جز بھی حاصل ہو جاوے وہ نافع ہے آخرت کا تو نفع ہے ہی دنیا کا نفع بھی اگر کوئی حاصل کرنا چاہے وہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو دین میں اور بھی کچھ حاصل نہ ہو صرف اذان ہی یاد کرلے جو سب سے ادنیٰ درجہ ہے علم دین کا۔ تو وہ بھی اپنا پیٹ پال سکتا ہے۔ دونوں وقت چین سے پکی پکائی روٹی کھا سکتا ہے بخلاف انگریزی کے کہ اس میں انٹرنس سے کم تو بالکل بیکار

ہے اور انٹرنس بھی آج کل زیادہ کار آمد نہیں کیونکہ انگریزی پڑھنے والے اس کثرت سے ہوگئے ہیں کہ ہر محکمہ میں بی۔ اے اور ایم۔ اے والوں کی درخواستیں پہلے سے رکھی رہتی ہیں۔ پھر اعلیٰ کے ہوتے ہوئے انٹرنس والوں کو کون پوچھتا ہے۔

بعض لوگ اپنی اولاد کو علم دین اس لئے نہیں پڑھاتے کہ مولوی غریب ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم دین غریب ہی پڑھتے ہیں۔ اگر اُمراء کے بچے علم دین پڑھنے لگیں تو مولوی امیر ہونے لگیں گے۔ تو تم اس کا اہتمام کیوں نہیں کرتے پھر تم امیر ہی مولویوں سے وعظ کہلایا کرنا اُن ہی سے مسائل دریافت کیا کرنا۔ پھر غریب مولویوں کا تعلق صرف غریبوں ہی سے رہ جاوے گا۔ دوسرے اُمراء کی تعلیم سے یہ فائدہ ہوگا کہ چندہ کا کام بند ہو جاوے گا۔ جو جڑ ہے ذلت کی۔ امیر مولویوں کو چندہ کی ضرورت ہی نہ ہوگی بلکہ اگر وہ چندہ کریں گے تب بھی وہ نظروں میں ذلیل نہ ہوں گے مگر انشاء اللہ وہ اگر چندہ کریں گے تو ڈاکہ ہی ڈالیں گے۔ لیکن وہ ڈاکہ ڈال کر بھی معزز رہیں گے۔ غریب مولوی تو چندہ چار روپے ہی پر قناعت کرلیتے ہیں اور وہ چار سو سے کم پر قناعت ہی نہ کرینگے مگر بلا سے اُن کی عزت تو کم نہ ہوگی اور اب غریب مولویوں کے چندہ سے تو دین کی بڑی بے وقعتی ہو رہی ہے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا دھندا اپنے پیٹ کے واسطے کیا جارہا ہے اس لئے میری رائے ہے کہ علماء کو چندہ کا کام ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ جو کام دین کا کرنا ہو۔ اُس کے لئے قوم کے معزز آدمیوں کو جمع کرکے یہ کہدیا جائے کہ صاحبو! دین کی حفاظت کے لئے اس کام کی ضرورت ہے۔ آپ بھی غور کریں کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر وہ ضرورت کو تسلیم کریں تو اُن سے کہا جائے کہ سب مل کر اس کا انتظام کریں۔ علماء اصل کام کریں اور معززین روپیہ کا انتظام کریں۔ غریب علماء ہی پر سارا بار کیوں ڈالا جاتا ہے کہ وہ کام کا بھی انتظام کریں اور روپیہ بھی جمع کریں۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ یہ کام ضروری نہیں فضول ہے تو علماء کو چندہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس وہ کام بند کرکے اپنے گھر پر رہیں اور تجارت۔ وزراعت یا کسی اور شغل میں لگیں۔ اور فرصت کے وقت میں جتنا ہو سکے دین کا کام کرلیا کریں۔ اس صورت میں قیامت کے دن ان پر مواخذہ نہ ہوگا یہ صاف کہدیں گے کہ ہم نے مسلمانوں کے سامنے دینی خدمت

کی ضرورت ظاہر کردی تھی۔ اُنہوں نے اس کو فضول بتلایا اور روپیہ کا انتظام نہ کیا اور ہمارے چندہ کرنے سے دین کی بے وقعتی ہوتی تھی۔ اس لیئے ہم نے چندہ نہ کیا اور معاش کے لیئے دوسرے کاموں میں لگ گئے اور اسی کے ساتھ جتنا ہم سے ہو سکا۔ اُس قدر دین کی خدمت بھی کرتے رہے۔ اس کے بعد اُن لوگوں کی گردنیں نپیں گی جو دین کی خدمت کو فضول بتلاتے تھے ذرا علماء اس طرح کر کے تو دیکھیں انشاء اللہ عوام سب سیدھے ہو جائیں گے۔ اور خود چندہ کر کے روپے لا لا کر دیا کریں گے۔ میں اوپر جہاں رپورٹ مدرسہ کے حوالہ سے مدرسے کے مقصد کو ظاہر کیا تھا یہ کہہ رہا تھا کہ طبقہ اُمراء کو میں نصف قرآن یا رُبع قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیتا اُن کو تو پورا قرآن پڑھنا چاہیئے۔ پھر قرآن پڑھکر دین کا عالم بننا چاہیئے ہاں جن کو ملازمت کی ضرورت ہو اُن کو اتنی رخصت ہے کہ اگر وہ عربی زبان میں دین کو حاصل نہ کر سکیں تو کم از کم اردو ہی میں پڑھ لیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو انگریزی کی بھی ضرورت ہے اور دیہات والے جو فراغت نہیں پاتے وہ کم از کم ایک سال تو دین کے لئے خرچ کر دیا کریں اتنی وسعت دینے کے بعد بھی اگر لوگ جاہل ہی رہیں تو اُس وعید کے لئے تیار ہو جاویں۔ جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اب میں عنوانِ آیت سے ایک بات پر متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ اس جگہ حق تعالےٰ نے اشتریٰ کا لفظ اختیار فرمایا ہے جس کے معنے ہیں استبدال بالتراضی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رضا و خوشی سے جہل و ضلالت کو اختیار کرنا یہ موجب وعید ہے اور افسوس ہے کہ آج کل یہی صورت ہو رہی ہے کہ لوگ خوشی کے ساتھ علم دین سے اعراض کر رہے ہیں۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اپنی اس غفلت پر کبھی اُن کو افسوس نہیں ہوتا نہ علم سے محرومی پر حسرت ہوتی ہے بلکہ غضب یہ ہے کہ جو بیچارہ طالب اصلاح ہو اور اپنے بچوں کو علم دین پڑھانا چاہے۔ اُس پر چاروں طرف سے ملامت و طعن ہوتا ہے کہتے ہیں کہ کیا اپنی اولاد کو مُلا بناؤ گے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ مُلا ہو کر یہ دُنیا کے کام کا رہے گا۔ دُنیا سے نکما ہو جائے گا۔ ہم اس الزام کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے جواب میں مولانا رومی کے التزام کو پیش کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎ تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند ۞ از ہمہ کار جہاں بیکار ماند۔ واقعی مُلا نے دُنیا کے کاموں سے بیکار ہو جاتے ہیں۔ مگر خبر بھی ہے کن کاموں سے

بیکار ہوتے ہیں۔ سب کاموں سے نہیں بلکہ اُن کاموں سے جو خلاف شرع ہیں یا مُباحات زائدہ ہیں۔ باقی جو کام شرع کے موافق ہیں اور ضرورت کے درجہ میں ہیں گو دُنیا ہی کے ہوں۔ اُن میں وہ بہت چُست ہوتے ہیں چنانچہ اپنے اہل وعیال کی طرف سے کبھی بے فکر نہیں ہوتے بلکہ اُن کے حقوق واجبہ کو دُنیا داروں سے زیادہ ادا کرتے ہیں۔ البتہ طالبعلم خاص زمانۂ طالبعلمی میں دُنیا کے بعضے ضروری کاموں میں بھی سُست ہوتے ہیں۔ مگر اس کا راز یہ ہے کہ وہ ایک اہم کام میں مشغول ہیں۔ اُس کی طرف توجہ لگی ہوئی ہے۔ اور نفس ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ آپ اس کو عیب سمجھتے ہیں کہ طالب علم کو کھانے کی فکر نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ مطالعۂ کتاب میں اُس کو بھوک کی خبر نہیں رہتی یا ایک طالبعلم کی حکایت ہے کہ وہ پانی کے دھوکے میں تیل پی گئے آپ اس پر ملامت کرتے ہیں۔ مگر میں انصاف سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کا ایک کمیرا یا لدی ہل جوتنے میں ایسا مشغول ہو جاوے کہ اُسے روٹی کی بھی خبر نہ رہے تو کیا آپ اس کو عیب سمجھیں گے یا اُس کی تعریف کریں گے کہ بڑا نمک حلال نوکر ہے آقا کے کام کو ایسی محنت سے کرتا ہے کہ اپنی جان کی بھی خبر نہیں رہتی افسوس آپ کے کام میں کسی کو اپنی خبر نہ رہے وہ تو نمک حلال قابل تعریف ہو اور خدا کے کام میں کوئی اپنے سے بے خبر ہو جائے تو وہ سُست اور کاہل اور قابل ملامت ہے۔

صاحبو! غور تو کیجئے کیا یہی انصاف ہے۔ اور طلباء کی یہ سُستی بھی صرف زمانۂ طلب ہی تک رہتی ہے۔ پھر فارغ ہو کر تو وہ ایسے چُست ہو جاتے ہیں کہ اُن کی برابر دُنیا دار کبھی بھی چُست نہیں ہو سکتے وہ تھوڑی دیر میں اتنا کام کر لیتے ہیں کہ دُنیا دار در چار مل کر بھی اُس سے زیادہ دیر میں وہ کام نہیں کر سکتے۔ آپ طلباء وعلماء کے پاس رہ کر اُن کی حالت دیکھیں کہ وہ تعلیم وتعلم اور تصنیف وتالیف کا کام کتنی چُستی سے کرتے ہیں۔ اور اس سے فارغ ہو کر دُنیا کے کام کس پھرتی سے انجام دیتے ہیں اور اہل وعیال کی کیسی خبر گیری کرتے ہیں۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اُن کی امداد ہوتی ہے اس لئے تھوڑی دیر میں وہ بہت کام کر لیتے ہیں اس امداد پر ایک دین دار کا قصہ یاد آیا کہ وہ جمعہ کے دن اپنے کھیت میں پانی دے رہے تھے کہ جمعہ کی اذان ہو گئی۔ اُدھوں نے سوچا کہ پانی کا انتظام کرتا ہوں تو جمعہ جاتا ہے اور جمعہ کو

جاتا ہوں تو پانی کا کام رہ جاتا ہے بالآخر انھوں نے دین کو دُنیا پر ترجیح دی اور کھیت کا کام چھوڑ کر جمعہ کو چلے گئے۔ جمعہ کے بعد جو آکر دیکھا تو کھیت پانی سے بھرا ہوا۔ تعجب ہوا۔ پڑوسی کہنے لگے کہ عجب بات ہے ہم اپنے کھیتوں میں پانی دیتے تھے اور ڈول ٹوٹ ٹوٹ کر وہ تمہارے کھیت میں پہنچ جاتا تھا۔ تو کبھی حق تعالیٰ کی امداد کھلی آنکھوں نظر آجاتی ہے اور باطنی امداد تو ہمیشہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ اُن کے وقت میں برکت دے دیتے ہیں۔ اس لئے یہ خیال نہ کرو کہ تمہارا لڑکا علم سے فارغ ہو کر دُنیا کے کام کا نہ رہے گا بخدا اگر وہ دیندار ہو گیا تو اپنے مفید کاموں میں وہ دنیا داروں سے زیادہ چست ہو گا۔ دوسرے وہ کم خرچ ہو گا۔ شان اور وضع اور فیشن کا پابند نہ ہو گا۔ تھوڑی آمدنی میں اپنا سارا خرچ چلائے گا اور انگریزی پڑھنے والی اولاد کو اگر اعلیٰ ملازمت نہ ملی تو وہ ساری عمر باپ ماں ہی سے خرچ منگاتے رہیں گے۔ چنانچہ ایسے نظائر موجود ہیں۔ اب آپ کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کو اس مدرسہ میں بھیجدیں۔ اور میں نے اس مدرسہ میں یہ بھی رائے دی ہے جو قبول کرلی گئی کہ ایک نصاب ایسا بنایا جائے جس سے اردو۔ فارسی میں لوگ دینیات حاصل کر سکیں اور میری رائے میں ہر مدرسہ کے اندر ایک ایسا نصاب ہونا چاہیئے اور میں نے کئی جگہ یہ رائے ظاہر بھی کی لیکن اہل مدارس نے اس پر توجہ نہیں کی۔ اگر اس مدرسہ میں اس پر عمل کیا گیا اور انشاء اللہ امید ہے کہ کیا جائے گا تو یہ بات اس مدرسہ کی خصوصیات میں سے ہو گی۔ ایک خصوصیت اس مدرسہ کی اسی جلسہ میں یہ معلوم ہوئی کہ اس مرتبہ جو جلسہ کی وجہ سے مہمانوں کا مجمع ہوا ہے۔ تو اُن کی دعوت وغیرہ کے لئے اور اسی طرح جلسہ کے جملہ اخراجات کے لئے خاص احباب سے چندہ کیا گیا ہے۔ عام چندوں کی رقم میں سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا گیا یہ بات بڑی خوشی کی ہے۔ میری ہمیشہ سے یہی رائے ہے کہ اول تو مہمانوں کو مدرسے کی طرف سے کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں یہ کسی کے بیٹے کی تقریب تھوڑا ہی ہے جو آنیوالوں کو کھانا دیا جائے یہ ایک قومی اور دینی کام ہے۔ جو آئے اُس کو اپنے پاس سے خرچ کر کے بازار میں کھانا چاہیئے۔ جیسے عام قومی جلسوں میں کھانے پینے کا خرچ ہر شخص خود برداشت کرتا ہے اور اگر یہ ہو اور مہمانوں کو کھانا کھلایا ہی جاوے تو اس کے لئے خاص چندہ کرنا چاہیئے

جس میں سب شریک ہونے والوں، تو اس بات کی صریحًا اطلاع ہو کہ یہ رقم مہمانوں کے کھانے وغیرہ میں صرف ہوگی۔ عام چندہ سے یہ اخراجات نہ کرنے چاہئیں۔ کیونکہ عام چندہ دینے والے زیادہ تر یہ سمجھکر مدارس میں چندہ دیتے ہیں کہ ہماری رقم تعلیمی کام میں صرف ہوگی۔ اس سے طلبار کو کھانا کپڑا دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں۔ اور اگر اُن کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا کھلایا جائے گا۔ جن میں بہت سے امرار، خوشحال بھی ہوتے ہیں تو شاید بعض لوگ اس اطلاع کے بعد چندہ نہ دیتے۔ اس لئے میرے نزدیک عام رقوم چندہ سے جلسہ کے اخراجات میں صرف کرنا شبہ سے خالی نہیں اور شبہ بھی قوی۔ پس یا تو اس کے لئے خاص چندہ کیا جایا کرے یا کم از کم جلسہ میں جب چندہ جمع کیا جائے اُسی وقت اعلان کر دیا جائے کہ جلسہ کا خرچ اس چندہ سے نکالا جائے گا۔ جو صاحب اس میں متفق نہوں۔ اس وقت ظاہر فرمادیں تاکہ اُن کا چندہ علیحدہ رکھا جاوے۔ اس طرح بھی شبہ سے بچاؤ ہوسکتا ہے۔ مگر اہل مدارس اتنی سہل صورت سے بھی تساہل کرتے ہیں مگر جائے خوشی ہے کہ اس مدرسہ میں اس کا لحاظ کیا گیا۔ مجھے ایک بڑی خوشی اس مرتبہ یہ بھی ہوئی کہ بعض دفعہ مدرسہ کیطرف سے چندہ کے لئے جو سفیر بھیجا جاتا ہے تو اس کے متعلق میں نے ایک رائے دی اور وہ بھی مان لی گئی اور وہ رائے یہ ہے کہ سفیر اگر عالم نہو تو اُس کو وعظ گوئی سے منع کر دیا جائے۔ محض ترغیب چندہ کا محدود الفاظ سے مضائقہ نہیں مگر غیر عالم وعظ کبھی نہ کہے اس میں چند مفاسد ہیں ایک تو یہ کہ اس میں حدیث کی مخالفت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ہے کہ ہر کام اُس کے اہل کے سپرد کرنا چاہئے اور آپ فرماتے ہیں اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة کہ جب کام نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو قیامت کے منتظر رہو۔ گویا نااہل کو کوئی کام سپرد کرنا اتنی سخت بات ہے کہ اس کا ظہور قیامت کے علامات سے ہے اور یہ امر مصرح و ثابت ہے کہ جو فعل اختیاری علامات قیامت سے ہوں وہ معصیت اور مذموم ہے اور ظاہر ہے کہ غیر عالم وعظ گوئی کا اہل نہیں یہ منصب صرف علمار کاملین کا ہے اس لئے غیر عالم کو اس کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔ دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ بعض دفعہ جاہل کو کسی مسئلہ میں بوجہ ناواقفیت کے ایسی غلطی پیش آتی ہے کہ اُسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ گو

بعضے بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ اپنی علمی حیثیت ہی کے موافق احتیاط کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔ اور جب پورا علم نہیں تو غلطی کا احتمال رہے گا۔ علاوہ ازیں جب یہ شخص وعظ کہے گا تو لوگ عالم سمجھکر اس سے ہر قسم کے مسائل بھی پوچھیں گے۔ پھر آج کل ایسے نفس کہاں ہیں جو صاف کہدیں کہ ہم جاہل ہیں ہم کو مسائل معلوم نہیں ضرور کچھ گڑھ مڑھ کر جواب دیں گے۔ اور اکثر وہ غلط ہوگا اور اگر گول مول جواب دیا اور اس طرح غلط جواب سے اپنے کو بچالیا تو ممکن ہے کہ عوام اُس سے کسی غلطی میں پڑجاویں۔ بعض جاہل ایسے ہوشیار ہوتے ہیں کہ جو مسئلہ ان کو معلوم نہیں ہوتا۔ اُس کا ایسا جواب دیتے ہیں۔ جس سے نہ جواب معلوم ہو۔ نہ جہل ظاہر ہو۔

گنگوہ میں ایک جاہل فتوے دیا کرتا تھا۔ مولانا گنگوہی رحمہ نے اپنی نوعمری میں اُس سے امتحاناً سوال کیا کہ حالتِ حمل میں بے شوہر عورت سے نکاح کرنا کیسا ہے۔ کہا ایسا ہے جیسے گھیرا دینا۔ اس گول مول جواب سے نہ اُس کا جہل ظاہر ہوا نہ جواز کا فتوے ہوا۔ مگر ایسے جوابات سے عوام کیا سمجھیں گے۔ یقیناً غلطی میں پڑیں گے۔ شاید کوئی جاہل واعظ یہ کہے کہ ہم کتابیں دیکھ کر فتوے دیا کریں گے۔ اور آج کل اردو میں بھی مسائل کا ذخیرہ موجود ہے تو میں کہتا ہوں کہ بعض مسائل کا تعلق دو باب سے ہوتا ہے۔ ایک باب میں تو اُس میں اطلاق ہوتا ہے اور دوسرے باب میں اُس کا مقید ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ قیود و شرائط بعض دفعہ ایسی ہوتی ہیں جن پر جاہل تو جاہل ناقص عالم کی نظر بھی نہیں پہنچتی۔ بعض دفعہ ناتمام علم سے لوگوں کو تنگی میں ڈالے گا۔ اور جب وہ تنگی کی برداشت نہ کرسکیں گے تو شرع کو بدنام کریں گے مثلاً شریعت کا حکم ہے کہ اتحادِ جنسین کے ساتھ تفاضل ناجائز ہے۔ مثلاً چاندی کے بدلے چاندی یا سونے کے بدلے سونا خریدا جائے تو مساوات ضروری ہے تفاضل (کمی بیشی) حرام ہے۔ اب جاہل تو اس مسئلہ کو دیکھکر اسی طرح بیان کردے گا۔ اور ممکن ہے کہ ایک وقت میں چاندی کا بھاؤ روپے کے برابر ہو بلکہ چاندی دس آنہ تولہ ہو جو ایک روپے کے مقابلہ میں روپے کے وزن سے زیادہ آئے گی۔ اور ان حضرت کو صرف اتنا ہی مسئلہ معلوم ہے کہ اتحاد جنس کے وقت تفاضل حرام ہے تو یہ حضرت یا تو خود روپے کے برابر ہی لائیں گے۔ پھر وہ

اُن کو بیوقوف بنائیں گے اور یا دوسروں کو اس پر مجبور کریں گے اور دونوں صورت میں شریعت کو بدنام کریں گے کہ یہ اچھا مسئلہ ہے کہ ایک چیز روپے میں روپے سے زیادہ آسکتی ہے مگر شریعت کہتی ہے کہ نہیں برابر ہی لو۔ زائد مت لو۔

تو یہ خرابی جہل کی وجہ سے ہوئی۔ محقق اگر اس مسئلہ کو بیان کرے گا تو ساتھ ساتھ یہ بھی کہدے گا کہ اگر چاندی ایک روپے کے بدلے میں اُس سے زیادہ آتی ہو تو اُسوقت روپے سے چاندی نہ خرید و بلکہ روپے کو بھُنا کر کچھ دونیاں۔ چونیاں اور ان کے ساتھ کچھ پیسے ملا کر خریدو اب جائز ہے کہ ایک روپے کے بدلے میں تولہ بھر سے زیادہ چاندی لے آؤ۔ کیونکہ ریزگاری میں جتنی مقدار چاندی ہوگی اُس کے مقابلہ میں تو اس کے برابر چاندی آجائے گی۔ باقی چاندی پیسوں کے مقابلہ میں ہو جاوے گی اور پیسہ اور چاندی میں جنس بدل گئی اُس میں کمی بیشی جائز ہے۔ بعض جاہل کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات ہی کیا ہوئی۔ روپیہ دینا اور روپیہ کی ریزگاری دینا ایک ہی بات ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ روپے کے بدلے میں تو تولہ بھر سے زیادہ چاندی نہ لے سکیں اور ریزگاری کے بدلہ میں زیادہ لے سکیں میں کہتا ہوں کہ یہ ضابطہ کی بات ہے کہ شریعت نے اُس کو ناجائز کیا ہے اور اس کو جائز کیا ہے۔ اس میں ایسے سوالات کا حق نہیں۔ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ تم کو نقصان بھی نہ ہو اور احکام کے پابند بھی رہو۔ اس طرح سے کہ جو کام کرو شریعت سے پوچھکر کرو تاکہ تم معاملات میں آزاد اور مطلق العنان نہ رہو کہ جس طرح چاہا کر لیا۔ بلکہ حکم کے پابند ہو کر کام کرو۔ کیونکہ جو ضروری کام تم آزادی کے ساتھ کرنا چاہتے ہو پابندی شریعت کے ساتھ بھی وہ کام نکل سکتا ہے۔ پھر خواہ مخواہ گناہ میں مُبتلا ہونا کون سی عقلمندی ہے۔

یہ تو مثال تھی تنگی میں ڈالنے نہ ڈالنے کی اب مسئلہ کے اطلاق و تقیید کی مثال سُنئے۔ مثلاً طلاق کے باب الکنایات میں فقہاء نے لفظ اختاری کو کنایات طلاق میں بیان کیا ہے اور اُس کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ اس سے وقوع طلاق نیت کے بعد ہوتا ہے تو اس سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اختاری میں بھی صرف نیت سے وقوع طلاق کا ہو جاوے گا۔ لیکن اسی اختاری سے وقوع طلاق کی ایک اور شرط بھی ہے جو باب التفویض میں مذکور ہے وہ یہ کہ اختاری میں نیت کے ساتھ

وقوع نہیں ہوتا بلکہ عورت جب اُسی مجلس میں طلاق کو اختیار کرلے اُس وقت وقوع ہوتا ہے اور اختیار منکوحہ کی شرط فقہاء نے باب الکنایات میں نہیں بیان کی بلکہ یہ شرط باب التفویض میں لکھی ہے پس اب اگر کوئی لفظ اختاری کو صرف باب الکنایات میں دیکھ کر حکم بیان کریگا وہ ضرور غلطی کرے گا۔ اور نیت زوج کے بعد فوراً وقوع کا فتوے دیدے گا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور اس میں بعض علماء تک بھی غلطی کر چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی نے ایک فقیہ کی غلطی نکالی ہے کہ اُنھوں نے اس مسئلہ میں غلط فتوے دیا ہے۔ نیز بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ ایک کتاب میں مطلق ہے۔ دوسری کتاب میں مقید ہے۔ اس لئے مسائل مہمہ میں مفتی کو لازم ہے کہ صرف ایک کتاب میں دیکھ کر فتوے نہ دے بلکہ مختلف کتابوں میں دیکھ کر جواب دے۔ غرض فقہ کا فن بہت دقیق ہے۔ اسی لئے میں فقہ حنفی کے حنفی سوا کسی دوسرے مذہب کی فقہی کتاب طلباء کو پڑھانے کی جرات نہیں کرتا۔ کانپور میں ایک طالب علم نے جو شافعی المذہب تھے۔ مجھسے اپنے مذہب کی کوئی فقہی کتاب پڑھنا چاہی میں نے عذر کر دیا۔ مجھے یہ اختاری کا مسئلہ اس وقت یاد آگیا۔ میں نے اُن سے یہی عذر کیا کہ بعض دفعہ ایک مسئلہ ایک مقام پر مطلق ہوتا ہے اور دوسرے مقام سے یا دوسری کتاب سے اس میں کچھ قید معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ہمارے یہاں مسئلہ اختاری اس کی نظیر ہے تو ممکن ہے کہ آپ کے فقہ میں بھی کوئی ایسا مسئلہ ہو۔ جس میں دوسری جگہ کوئی قید مذکور ہو اور مجھے اُس کی خبر نہ ہو تو ممکن ہے کہ میں آپ کو اطلاق کے ساتھ مسئلہ سمجھا دوں اور آپ بھی اُس کو مطلق سمجھکر ساری عمر غلطی میں مبتلا رہیں۔ اس لئے میں آپ کے مذہب کی کتاب نہیں پڑھا سکتا اپنے مذہب کی کتابوں پر تو تھوڑی بہت نظر ہے۔ اس کا ذخیرہ بھی اپنے پاس موجود ہے۔ دوسرے مذہب پر نہ اتنی نظر ہے نہ کتابوں کا زیادہ ذخیرہ ہے اُس میں غلطی ہوجانا کچھ بعید نہیں۔

پھر میں نے اُن سے کہا کہ تم رامپور جاکر مولوی طیب صاحب عرب سے فقہ شافعی پڑھ لو وہ شافعی المذہب ہیں۔ اُن کی نظر اپنے مذہب پر زیادہ ہے وہ اچھا پڑھائیں گے۔ علماء حنفیہ فقہ شافعی کو صحیح طور پر نہیں پڑھا سکتے۔ جیسے علماء شافعیہ فقہ حنفی کو اچھی طرح نہیں پڑھا سکتے

ہر مذہب والا دوسرے مذہب کے مسائل میں ضرور غلطیاں کرے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں بعض مسائل کی نسبت دوسرے امام کی طرف غلط کردی گئی۔ اسی طرح شافعیہ کی کتابوں میں حنفیہ کی طرف بعض مسائل غلط منسوب کئے گئے ہیں۔

یہ بھی ایک وجہ ہے ہندوستان میں تقلید مذہب حنفی کے وجوب کی کہ یہاں رہ کر کسی دوسرے مذہب پر صحیح عمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہندوستان کے علماء اکثر حنفی ہیں۔ اور یہاں کتابیں بھی فقہ حنفی کی زیادہ ملتی ہیں اساتذہ بھی اسی فقہ کے میسر ہو سکتے ہیں۔ دوسرے فقہ کی نہ زیادہ کتابیں یہاں موجود ہیں نہ اُن کے پڑھانے والے میسّر آسکتے ہیں تو پھر عمل کی کیا صورت ہو۔ ہمارے ایک مہربان مکہ جاکر شافعی بن آئے ہیں۔ یہ تو کوئی ملامت وطعن کی بات نہیں تھی اگر تحقیق کے ساتھ دوسرے مذہب کو اختیار کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مذاہب اربعہ سب حق ہیں۔ ہاں تلعب بالمذاہب البتہ حرام ہے کہ اس کو کھیل بنالیا جائے۔ آج حنفی ہو گئے کل شافعی ہو گئے۔ پھر مالکی ہو گئے۔

لیکن وہ ذرا میرے پاس آئیں تو میں اُن سے پوچھوں گا کہ ہندوستان میں وہ شافعی بن کر کیوں کر رہ سکتے ہیں۔ یہاں رہ کر امام شافعیؒ کے مذہب پر تمام مسائل میں وہ صحیح عمل کیونکر کرینگے اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ خود عالم ہوتے اور فقہ شافعی کو کسی فقیہ شافعی سے حاصل کیا ہوتا سو اُن میں یہ وصف موجود نہیں یا ہندوستان کے علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں گے سو میں بتلا چکا کہ ہندی علماء مذہب شافعی کے مسائل کو صحیح طور پر نہیں بتلا سکتے اب یہاں امام شافعی کے فقہ پر عمل کیونکر ہوگا۔ بس اُس کی تیسری صورت یہ ہے کہ وہ مکہ ہی جاکر رہیں اور جہاں سے وہ شافعی بن کر آئے ہیں وہیں رہ کر اُس پر عمل کریں وہاں اس مذہب کے مشائخ و علماء و اساتذہ بہت موجود ہیں۔ جب وہ ملیں گے۔ تب یہ بات اُن سے کہوں گا۔[۱] ابھی تو اُنھوں نے دوسرے گذشتہ واقعات سے معافی چاہی ہے۔ میں نے لکھدیا ہے کہ سب معاف ہے ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن ۔ آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

[۱] بعد میں اُنھوں نے خط سے اطلاع دی ہے کہ وہ پھر حنفی ہو گئے ۱۲ منہ

الحمد للہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ کبھی نہیں ہوتا۔ ہاں دوستانہ شکایت کبھی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بھی قائم نہیں رہتی۔ جلدی زائل ہو جاتی ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایسے مسائل میں جو ایک جگہ مطلق ہوں۔ دوسری جگہ مقید ہوں۔ جاہل واعظ ضرور غلطی کریگا اور اس کے امتحان کی آسان صورت یہ ہے کہ کسی جاہل کے وعظ میں ایک عالم کو دو چار دفعہ پردہ میں بٹھلاؤ۔ دو چار دفعہ کی اس لئے ضرورت ہے کہ ایک دفعہ تو غلطی سے محفوظ رہ جانا ممکن ہے۔ مگر ہمیشہ محفوظ رہنا جاہل سے دشوار ہے دو چار دفعہ کے بعد ان عالم صاحب سے پوچھ لینا کہ اس نے کتنی غلطیاں کی ہیں۔ انشاء اللہ حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ کام نا اہل کو نہ دینا چاہئے۔ میں یہ دعوے نہیں کرتا کہ عالم سے غلطی نہیں ہوتی۔ عالم بھی بشر ہے۔ اُس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے مگر وہ خفیف اور قلیل غلطی کرے گا۔ شدید اور بکثرت غلطی نہ کرے گا یعنی اُس کے بیان میں شاذ و نادر کبھی سو بار میں ایک بار غلطی ہوگی اور جاہل کے وعظ میں کثرت سے غلطیاں ہوں گی۔ پھر عالم کو دوسرے وقت اپنی غلطی پر تنبہ ہو سکتا ہے اور دوسرے بیان میں اُس کی اصلاح بھی کر سکتا ہے اور جاہل کو تنبہ بھی نہیں ہوتا کہ میں نے کیا غلطی کی ہے۔ اس لئے یہ اُس سے اشد ہے خوب سمجھ لو۔ صاحب آپ کو تجربہ نہیں اور مجھے تجربہ ہے۔ جس کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ نا اہل کو وعظ کی اجازت نہ دینا چاہئے۔ واللہ جہل کی وجہ سے بڑی خرابیاں ہو رہی ہیں۔ کانپور میں ایک شخص نے ایک ایسے بکرے کی قربانی کی جس کا کوئی عضو عیب سے خالی نہ تھا۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ اس کی قربانی جائز نہیں تو وہ کہتا ہے واہ ہماری بی بی صاحبہ نے فتوے دیا ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔ پھر اُس نے بیوی سے جا کر کہا کہ لوگ تمہارے فتوے میں غلطی نکالتے ہیں۔ اُس نے شرح وقایہ کا اردو ترجمہ پڑھا تھا اُس میں مسئلہ کا موقعہ نکال کر باہر بھیجدیا کہ دیکھو اس میں لکھا ہے کہ تہائی عضو سے کم کٹا ہوا تو قربانی جائز ہے اور اس بکرے کا کوئی عضو تہائی سے زائد نہیں کٹا۔ بلکہ کم ہی ہے۔ گو مجموعہ مل کر بہت زیادہ تھا۔ کچھ ٹھکانا ہے اس نامعقول حرکت کا کہ ایک عورت بھی شرح وقایہ کا ترجمہ پڑھکر مفتی بن گئی۔ اب میں مکرر خلاصہ مقام کا عرض کرتا ہوں کہ آیت کا حاصل مدلول یہ ہوا کہ تحصیل علم کی بھی سخت ضرورت ہے اور عمل کی بھی۔

اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فما اصبرھم علی النار یہ سخت وعید ہے۔ جس میں حق تعالیٰ اصیغۂ تعجب سے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو ہدایت و مغفرت کو اور بعنوان دیگر علم و عمل کو چھوڑ کر ضلالت و معصیت میں مبتلا ہیں۔ جہنم میں جانے کے لئے کیسے دلیر اور کیسے بے باک ہیں۔ لفظ اصبر کے اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وعید صبر و ثبات علی المعصیۃ پر ہے یعنی گناہوں پر اصرار کرنا۔ اور اس پر جمار ہنا سبب وعید ہے ورنہ ایکبار گناہ کرکے پھر نادم ہو کر اس پر ثبات نہ کرنا اس وعید کا محل نہیں۔ بلکہ توبہ کر لینے سے آئندہ و ماضی دونوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ حق تعالیٰ کے کلام میں کیسی بلاغت اور کتنی رعایت ہے کہ لفظ لفظ سے علم عظیم پیدا ہوتا ہے۔ بس اب میں ختم کرتا ہوں وقت بہت ہو گیا بارہ بج چکے ہیں۔ اتنی دیر بیان کا قصد نہ تھا۔ میں نے اس وقت علم و عمل کی ضرورت پر بقدر ضرورت کافی تقریر کر دی ہے اور چندہ خاص کی کوئی ترغیب نہیں دی۔ ہاں چندہ کے اصول بیان کر دیے ہیں اور علماء کو چندۂ خاص کی ترغیب سے منع کیا ہے۔ البتہ کام کرنے کی صورت بتلا دی ہے کہ جو کام کریں اس کی ضرورت کو مسلمانوں پر ظاہر کر دیں اگر وہ ضرورت کو تسلیم کر لیں تو ان سے کہا جائے کہ اس کا انتظام کریں۔ پھر چندہ وغیرہ وہ لوگ خود کریں گے۔ علماء کو اس کی ضرورت نہیں اور ضرورت نہ سمجھیں تو کام کو بند کر دیں۔ اب مہتمم صاحب مدرسہ کچھ رپورٹ مدرسہ کی طرف سے سنائیں گے۔ اس کو سننا چاہئے منتشر ہونا چاہئے اکثر عادت ہے کہ لوگ وعظ کے بعد منتشر ہو جاتے ہیں۔ یہ اچھا طریقہ نہیں جس جلسہ میں آپ مدعو ہیں اس کی کارروائی پوری ہونے کے بعد جانا چاہئے لہٰذا اب صاحب مدرسہ کی رپورٹ سنئیں۔ اور اگر مدرسہ کے قائم رہنے کی ضرورت سمجھ میں آجائے تو اس میں کوشش سے امداد کریں اور اگر اس کو فضول سمجھیں تو یہی ظاہر کر دیں تاکہ اس کے موافق عمل کیا جائے۔ والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

تمت

برادران اسلام کو تازہ خوشخبری

یعنی

جناب فخر عالم پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مبارک والا نامہ

جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مُہر لگا کر سنہ ہجری میں سلطان مقوقس قبط کے بادشاہ کے نام بغرض دعوت اسلام روانہ فرمایا تھا اور ایک فرانسیسی سیاح نے سفر قبط میں مصر کے شہروں میں سے اخمیم کے گرجا میں ایک قبطی راہب کے پاس سے خرید کر سلطان عبد الحمید خان صاحب مرحوم و مغفور سلطان سابق کی خدمت میں لیکر حاضر ہوا اور ہدیۃً پیش کیا۔ سلطان المعظم نے اسے نہایت حفاظت سے دیگر تبرکات نبویہ کے ساتھ قسطنطنیہ میں رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ قسمت سے اُسکا عکس ہندوستان میں بھی پہنچا اور اُس کے ایک عکس سے ہمکو بھی عزت حاصل ہوئی ہم نے براہ رفاہِ عام چربہ لیکر شائع کیا اور نقل مطابق اصل رکھنے کی یہانتک کوشش کی کہ بوجہ ایک مدت دراز گذر جانے کے والا نامہ مذکور میں دھبہ و شکن وغیرہ پڑ گئے ہیں وہ بھی چربہ میں ظاہر کئے ہیں وہ عبارت جو اصل ہے اول رکھی ہے اور اس کے نیچے وہی عبارت خط نسخ یعنی موجودہ عربی میں خوشخط لکھکر بین السطور میں اردو ترجمہ بھی شامل کر دیا ہے۔ اس کی قدر وہی حضرات کریں گے جنہیں آقا نامدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اشد محبت ہوگی کیونکہ محبوب کی چیز یا اس کی نقل کی وہی قدر کریگا جو عاشق ہوگا اور جس کو محبت ہی نہ ہو اس کو بیقدر ہوگی اور چونکہ بعض حضرات اسے شیشے میں لگاتے ہیں اسواسطے اس کے گرد بیل نہایت خوبصورت مگر صوفیانی رنگین چھپوائی ہے۔ اب یہ فرمان ہر صورت سے اس قابل ہے کہ شیشہ میں لگوا کر مکانوں میں مسجدوں میں لگایا جائے۔ ہدیہ صرف دو آنے (۲)

نوٹ:- اگر ایک ہی منگانا ہو تو ۲. کے ٹکٹ روانہ فرماویں۔ دو آنہ قیمت کے اور محصولڈاک

کلام الملوک

حق تعالے کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ تمنا جو ۱۳۲۴ھ سے دل میں تھی اور اوسکی تکمیل کے لئے دل بے اختیار تھا ۱۳۴۷ھ میں پوری ہوئی کہ کتاب مستطاب مسمی بہ **کلام الملوک** جو کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے نظم ملفوظات کا مجموعہ ہونے کے اعتبار سے **ملوک الکلام** ہے طبع ہوکر اہل علم کی خدمت میں پیش ہوگئی یہ مجموعہ بفضلہ تعالی جس طرح کلام صحابہ ہونے کی وجہ سے بیشمار انوار و برکات پر مشتمل ہے اسی طرح ایک ممتاز درجہ کی ادبی کتاب بھی ہے اور چونکہ ہر کلام کے اول میں مختصراً اس کا موقع بھی لکھا گیا ہے اس لئے ایک مختصر تاریخی کتاب بھی ہے۔ اور مضامین کی خصوصیات کے جو فوائد ہیں مثل مدح نبوی اور مدح صحابہ اور انکے کارنامے اور اون کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وغیرہ اون کے علاوہ ہے۔

مشورہ مفیدہ۔ اس خزینہ مطیبہ کو اگر حضرات اہل علم خصوص مہتممین اپنے مدارس میں داخل درس فرماویں تو اس کا نفع تام ہوجاوے۔ اور تاجر صاحبان اگر اس کی قیمت میں رعایت کا لحاظ رکھیں تو انشاء اللہ نفع عام ہوجاوے۔

اعلان۔ اس مجموعہ مبارک کا ہدیہ (عــہ) اور مدرسین وطلبہ کے لئے حسب مشورہ حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم برعایت خاص (عــ۸ر) علاوہ محصولڈاک ہے محصولڈاک (۷ر) امید کہ دیگر حضرات بھی اس مشورہ پر عمل فرماویں گے۔ والسلام

المشتہر

ناظم امداد المواعظ۔ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر